نورِ حق کی کرنیں

جنّتی لوگ کون؟

اِس کتاب میں اِن عقائد و علامات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔
جِن کے ذریعے جنتی لوگوں کی شناخت باآسانی کی جاسکتی ہے

تالیف:

حضرت علامہ شاہ تراب الحق قادری مدظلہ العالی

نورِ حق کی کرنیں

جنتی لوگ کون؟

اس کتاب میں ان عقائد و علامات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔
جن کے ذریعے جنتی لوگوں کی شناخت باآسانی کی جاسکتی ہے

تالیف:

حضرت علامہ شاہ تراب الحق قادری مدظلہ العالی

زاویہ پبلشرز
8-C (محی الدین بلڈنگ) داتا دربار مارکیٹ۔ لاہور
فون 042-7248657 فیکس 042-7112954
Mob: 0300-9467047 - 0321-9467047 - 0300-4505466
Email:zaviapublishers@yahoo.com

2006

بار اول ——————— ۱۰۰۰

ہدیہ ——————— 80 روپے

زیر اہتمام

نجابت علی تارڑ

ملنے کے پتے
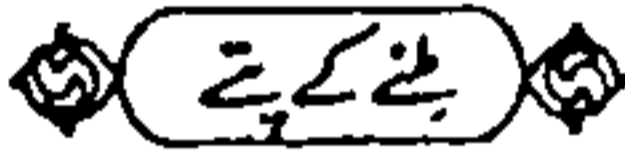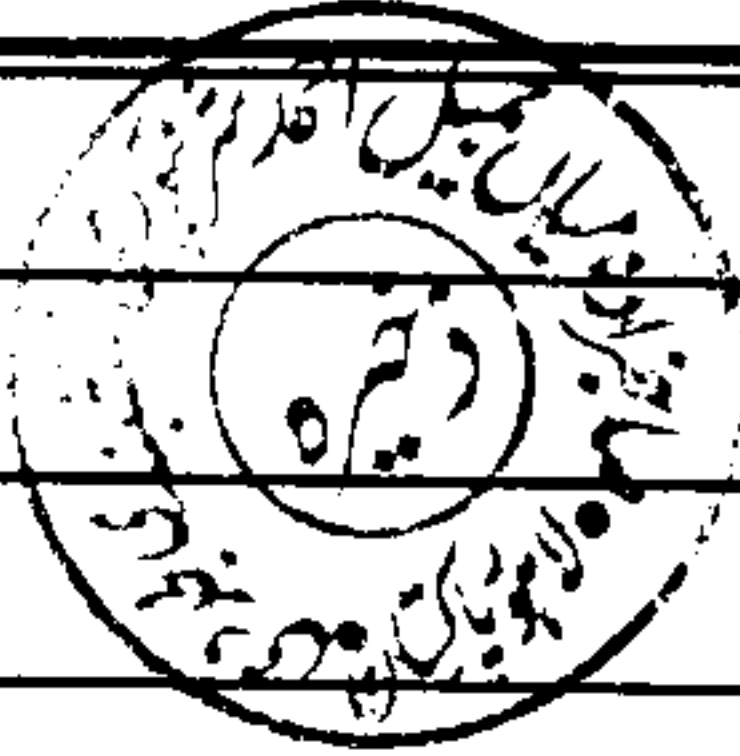
مکتبہ قادریہ نزد چوک میلاد مصطفیٰ سرکلر روڈ گوجرانوالہ	055-4237699
احمد بک کارپوریشن کمیٹی چوک راولپنڈی	051-5558320
اسلامک بک کارپوریشن بیسمنٹ دی بنک آف پنجاب راولپنڈی	0300-5829668
مکتبۃ المدینہ، فیصل آباد/ راولپنڈی/ ملتان/ حیدر آباد/ کراچی	021-2203311
مکتبۃ المجاہد دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف	048-6691763
حنفیہ پاک پبلی کیشنز نزد بسم اللہ مسجد کھارادار کراچی	
مکتبۃ العطاریہ لنک روڈ صادق آباد	0333-7413467
منہاج القرآن اسلامک سیل سنٹر ضیاء مارکیٹ سرگودھا	0483-721630
مکتبہ ضیاء العلوم مین صدر بازار راولپنڈی	051-5585695
عطار اسلامی کتب خانہ بازار کلاں نزد دو دروازہ سیالکوٹ	0345-6747131

فہرست مضامین

پیش لفظ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ۔

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا دل اور زبان سے اقرار کرنا ایمان کہلاتا ہے نیز مومن ہونے کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ توحید و رسالت کے اقرار کے ساتھ ساتھ وہ اسلام کو سچا دین جانے اور ضروریاتِ دین میں سے کسی بات کا انکار نہ کرے۔

اسلام کی کسی مشہور و معلوم بات کا انکار کرنا یا اس میں شک کرنا جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ یا حج کو فرض نہ جاننا، یا قرآن کو اللہ تعالیٰ کا کلام نہ سمجھنا یا جنت، دوزخ، فرشتے، قیامت وغیرہ پر یقین نہ رکھنا۔ کسی نبی یا فرشتے کی توہین کرنا، یا کسی سنت کو ہلکا جاننا، یا کسی شرعی حکم کا مذاق اڑانا یا مذاق میں کوئی جملہ بولنا، یہ سب باتیں کفر ہیں۔ اسی طرح اسلامی عقائد کے خلاف کوئی عقیدہ رکھنا بھی کفر ہے نیز وہ باتیں جو کفر کی علامت یا کفار کا مذہبی شعار ہیں جیسے جینو (زنار) ڈالنا، چٹیا رکھنا، صلیب لٹکانا وغیرہ، انہیں اپنانا بھی کفر ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہوا:

''اے نبی! بیشک ہم نے تمہیں بھیجا گواہ (بنا کر) اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا، تاکہ اے لوگو! تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول

کی تعظیم وتوقیر کرو اور صبح وشام اللہ کی پاکی بولو"۔(الفتح:۹)

شیخ الاسلام مجدد امت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ القوی اپنی تصنیف "تمہید ایمان" میں اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

مسلمانو! ان تینوں جلیل باتوں کی جمیل ترتیب تو دیکھو، سب میں پہلے ایمان کا ذکر فرمایا اور سب میں پیچھے اپنی عبادت کا، اور بیچ میں اپنے پیارے حبیب ﷺ کا، اس لیے کہ ایمان کے بغیر تعظیم کارآمد نہیں، پھر جب تک نبی کریم ﷺ کی سچی تعظیم نہ ہو، بندہ خواہ ساری عمر عبادتِ الٰہی میں گزارے سب بیکار ومردود ہے۔ رب تعالیٰ ایسوں ہی کیلئے فرماتا ہے:

"جو کچھ اعمال انہوں نے کیے ہم نے سب برباد کردیئے"۔(الفرقان ۲۳)

یہ بھی فرماتا ہے:

"عمل کریں مشقتیں بھریں اور بدلہ کیا ہوگا یہ کہ بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈالے جائیں گے"۔(الغاشیہ۳،۴)

مسلمانوں! کہو سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی تعظیم مدار ایمان و مدار نجات و مدار قبول اعمال ہوئی یا نہیں؟ کہو ہوئی اور ضرور ہوئی۔

تمہارا رب عزوجل فرماتا ہے:

"اے نبی! تم فرمادو کہ اے لوگو! اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیبیاں، تمہارا کنبہ، تمہاری کمائی کے مال اور وہ سوداگری جس کے نقصان کا تمہیں اندیشہ ہے اور تمہاری پسند کے مکان، ان میں کوئی چیز بھی اگر تم کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور اس کی راہ میں کوشش کرنے سے زیادہ محبوب ہے تو انتظار رکھو یہاں تک کہ اللہ اپنا عذاب اتارے اور اللہ بے حکموں کو راہ نہیں دیتا"۔(التوبہ:۲۴)

تمہارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''تم میں کوئی مومن نہ ہوگا جب تک میں اسے اس کے ماں باپ اولاد اور سب آدمیوں سے زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں''۔ (بخاری، مسلم)

یہ بات ثابت ہوگئی کہ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو عزیز رکھے وہ ہرگز مسلمان نہیں۔ مسلمانو کہو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام جہان سے زیادہ محبوب رکھنا مدار ایمان و مدار نجات ہوا یا نہیں؟ کہو ہوا اور ضرور ہوا۔ یہاں تک تو سارے کلمہ خوشی خوشی قبول کرلیں گے۔ کہ ہاں ہمارے دل میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی عظمت ہے، ہاں ہاں ماں باپ اولاد اور سارے جہان سے زیادہ ہمیں حضور کی محبت ہے۔ بھائیو! خدا ایسا ہی کرے مگر ذرا کان لگا کر اپنے رب کا ارشاد سنو تمہارا رب عزوجل فرماتا ہے:

''کیا لوگ اس گھمنڈ میں ہیں کہ اتنا کہہ لینے پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے، اور (کیا) انکی آزمائش نہ ہوگی''۔ (العنکبوت:١)

یہ آیت مسلمانوں کو ہوشیار کر رہی ہے کہ کلمہ پڑھنے اور محض زبان سے اسلام کا دعویٰ کرنے پر تمہیں چھٹکارا نہ ملے گا۔ ہاں ہاں سنتے ہو! آزمائے جاؤ گے، آزمائش میں پورے نکلے تو مسلمان ٹھہرو گے۔ ہر شے کی آزمائش میں یہی دیکھا جاتا ہے کہ جو باتیں اسکے حقیقی و واقعی ہونے کو درکار ہیں وہ اس میں ہیں یا نہیں؟ ابھی قرآن و حدیث ارشاد فرما چکے ہیں کہ ایمان کے حقیقی و واقعی ہونے کو دو باتیں ضروری ہیں اول آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم، اور دوم حضور علیہ السلام کی محبت کو تمام جہان پر تقدیم۔

پس ایمان کی آزمائش کا یہ صریح طریقہ ہے کہ تم کو جن لوگوں سے کیسی ہی تعظیم، کتنی ہی عقیدت، کتنی ہی دوستی، کیسی ہی محبت کا علاقہ ہو، جیسے تمہارے باپ، تمہارے استاد، تمہارے پیر تمہاری اولاد تمہارے حافظ تمہارے مفتی، تمہارے واعظ جو کوئی بھی ہوں جب وہ آقائے دو جہاں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کریں تو تمہارے دل

میں ان کی عظمت ان کی محبت کا نام نشان نہ رہے تم فوراً ان سے الگ ہو جاؤ، انکو دودھ سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دو، اُن کی صورت اور ان کے نام سے نفرت کھاؤ۔ پھر نہ تم اپنے رشتے علاقے دوستی الفت کا پاس کرو نہ اسکی مولویت مشیخیت بزرگی اور فضیلت کو خطرے میں لاؤ کیونکہ یہ جو کچھ تھا حضور ﷺ کی ہی غلامی کی بنا پر تھا جب یہ شخص ان ہی کی شان میں گستاخ ہوا پھر ہمارا اس سے کیا تعلق رہا؟

اس کے جبے عمامے پر کیا جائیں کیا بہت سے یہودی جبے نہیں پہنتے؟ عمامے نہیں باندھے؟ اسکے نام اور ظاہری علم و فضل کو لے کر کیا کریں کیا بہت سے پادری اور بکثرت فلسفی بڑے بڑے علوم وفنون نہیں جانتے؟ اور اگر یہ نہیں بلکہ آقا و مولی ﷺ کے مقابل تم نے اس کی بات بنانی چاہی، اس نے حضور ﷺ سے گستاخی کی اور تم نے اس سے دوستی نبھائی، یا اسے ہر برے سے بدتر برا نہ مانا جانا، یا اسے برا کہنے پر برا مانا، یا تم اس کی گستاخی سے لاپرواہی دکھائی، یا تمہارے دل میں اس کی طرف سے سخت نفرت نہ آئی تو لِلّٰہ اب تم ہی انصاف کرلو کہ تم ایمان کے امتحان میں کہاں پاس ہوئے؟ بلکہ قرآن وحدیث نے جس بات پر حصول ایمان کا مدار رکھا تھا اس سے کتنی دور نکل گئے۔ (تمہید ایمان ص۸۹ تا۹۲ ملخصاً)

بعض لوگ یہ شبہ پیش کرتے ہیں کہ جو کلمہ پڑھتا ہو وہ کسی قول یا فعل کی وجہ سے کافر کیسے ہوسکتا ہے؟ امام اہلسنت اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ اس شبہ کے جواب میں فرماتے ہیں کہ ہر کلمہ گو مسلمان کو ہم مسلمان جانیں گے جب تک اسلام کے منافی کوئی کلمہ کوئی حرکت کوئی فعل صادر نہ ہو اسلام کے منافی قول وفعل صادر ہونے پر اس کی کلمہ گوئی کام نہ دے گی۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

"خدا کی قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے نبی کی شان میں گستاخی نہ کی۔ اور بے شک وہ کفر کا بول بولے اور مسلمان ہو کر کافر ہو گئے"۔ (التوبہ ۷۴)

اللہ ﷻ گواہی دیتا ہے کہ نبی کی شان میں بے ادبی کا لفظ کلمہ کفر ہے اور اس کا کہنے والا اگر چہ لاکھ مسلمانی کا دعویدار ہو، کروڑ بار کلمہ گو ہو۔ کافر ہو جاتا ہے، وہ فرماتا ہے کہ اے محبوب!

”اگر تم ان سے پوچھو گے تو کہیں گے ہم تو یونہی ہنسی کھیل میں تھے، تم فرماؤ کیا اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنستے ہو؟ بہانے نہ بناؤ تم کافر ہو چکے مسلمان ہو کر“۔ (التوبہ ۶۵-۶۶ کنزالایمان)

ابن ابی شیبہ وابن المنذر وابن ابی حاتم وابوالشیخ امام مجاہد تلمیذ خاص سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ کسی شخص کی اونٹنی گم ہو گئی، اس کی تلاش جاری تھی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اونٹنی فلاں جنگل میں فلاں جگہ پر ہے اس پر ایک منافق بولا:

”محمد ﷺ بتاتے ہیں کہ اونٹنی فلاں جگہ ہے وہ غیب کیا جانے“۔

اس پر اللہ ﷻ نے یہ آیت کریمہ اتاری کہ ”کیا اللہ و رسول سے مذاق کرتے ہو؟ بہانے نہ بناؤ تم مسلمان کہلا کر یہ جملہ کہنے سے کافر ہو گئے۔

(تفسیر امام ابن جریر، ج ۱۰ ص ۱۰۵ تفسیر درمنشور امام جلال الدین سیوطی ج ۳ ص ۲۵۴)

مسلمانو! دیکھو رسول معظم ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے سے کہ وہ ”غیب کیا جانیں“ کلمہ گوئی کام نہ آئی اور اللہ تعالیٰ نے صاف فرما دیا کہ بہانے نہ بناؤ تم اسلام لانے کے بعد کافر ہو گئے۔ اس سے وہ حضرات بھی سبق حاصل کر لیں جو رسول کریم ﷺ کے علوم غیب سے مطلقاً منکر ہیں۔ (ایضاً صفحہ ۱۱۱-۱۱۲ ملخصاً)

مفکر اسلام، پیر طریقت حضرت علامہ سید شاہ تراب الحق قادری دامت برکاتہم القدسیہ کی دین حق کی ترویج و اشاعت کیلئے کاوشیں اہل نظر سے پوشیدہ نہیں۔ زاویہ پبلشرز کو قبلہ شاہ صاحب مدظلہ کی کئی کتب شائع کرنے کا اعزاز حاصل ہے۔ زیر نظر کتاب کے ماخذ قرآن عظیم، صحاح ستہ، مشکوۃ، شرح عقائد، فتاویٰ شامی، فتاوی

رضویہ اور بہار شریعت ہیں اس کتاب کا انگریزی میں ترجمہ بھی طباعت کیلئے تیار ہے اللہ عزوجل قبلہ شاہ صاحب برکاتہم کا سایہ ہمارے سروں پر دراز فرمائے اور ادارے کے رفقاء کیلئے اس کتاب کو ذریعۂ نجات بنائے آمین بجاہ النبی الامین۔

محمد آصف قادری غفرلہ ولوالدیہ

باب اوّل:

عقائد متعلقہ ذات وصفات الٰہی

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم

ارشادِ باری تعالیٰ ہوا:

''تم فرماؤ وہ اللہ ہے وہ اللہ بے نیاز ہے نہ اسکی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا نہ اس کے جوڑ کا کوئی''۔ (سورۃ الاخلاص کنزالایمان)

اللہ تعالیٰ معبود یکتا ہے:

دوسری جگہ ارشاد ہوا:

''جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ آپ زندہ اوراوروں کا قائم رکھنے والا (ہے)، اسے نہ اونگھ آئے نہ نیند، اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں، وہ کون ہے جو اس کے یہاں سفارش کرے بغیر اس کے حکم کے، جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے اور وہ نہیں پاتے اس کے علم میں سے مگر جتنا وہ چاہے۔ اس کی کرسی میں سمائے ہوئے ہیں آسمان اور زمین اور اسے بھاری نہیں ان کی نگہبانی اور وہی ہے بلند بڑائی والا''۔ (البقرہ ۲۵۵ کنزالایمان)

اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے:

اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے یعنی اس کا وجود ضروری اور عدم محال ہے اسکو یوں سمجھیے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی نے پیدا نہیں کیا بلکہ اسی نے سب کو پیدا کیا ہے وہ خود اپنے آپ سے موجود ہے اور ازلی وابدی ہے یعنی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اس کی

تمام صفات اسکی ذات کی طرح ازلی وابدی ہیں۔

اللہ تعالیٰ سب کا خالق ومالک ہے:

اللہ تعالیٰ سب کا خالق و مالک ہے اسکا کوئی شریک نہیں۔ وہ جسے چاہے زندگی دے جسے چاہے موت دے جسے چاہے عزت دے، اور جسے چاہے ذلیل کرے وہ کسی کا محتاج نہیں سب اسکے محتاج ہیں، وہ جو چاہے اور جیسا چاہے کرے اسے کوئی روک نہیں سکتا، سب اس کے قبضہ قدرت میں ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے:

اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے مگر کوئی محال اس کی قدرت میں داخل نہیں، محال اسے کہتے ہیں جو موجود نہ ہو سکے مثال کے طور پر دوسرا خدا ہونا محال ہے یعنی ناممکن ہے تو اگر یہ زیر قدرت ہو تو موجود ہو سکے گا اور محال نہ رہے گا جبکہ اس کو محال نہ ماننا وحدانیت الٰہی کا انکار ہے۔ اس طرح اللہ ﷻ کا فنا ہونا محال ہے اگر فنا ہونے پر قدرت مان لی جائے تو یہ ممکن ہوگا اور جس کا فنا ہونا ممکن ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا۔ پس یہ ثابت ہوا کہ محال و ناممکن پر اللہ تعالیٰ کی قدرت ماننا اللہ عزوجل ہی کا انکار ہے۔

تمام خوبیاں اور کمالات اللہ تعالیٰ کی ذات میں موجود ہیں:

تمام خوبیاں اور کمالات اللہ تعالیٰ کی ذات میں موجود ہیں۔ اور ہر بات جس میں نقص یا نقصان یا کسی دوسرے کا حاجتمند ہونا لازم آئے اللہ عزوجل کے لئے محال و ناممکن ہے جیسے یہ کہنا کہ "اللہ تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے اس مقدس پاک بے عیب ذات کو عیبی بتانا درحقیقت اللہ تعالیٰ کا انکار کرنا ہے۔ خوب یاد رکھیے کہ ہر عیب اللہ تعالیٰ کے لئے محال ہے اور اللہ تعالیٰ ہر محال سے پاک ہے۔

اللہ تعالیٰ کی تمام صفات اس کی شان کے مطابق ہیں، بیشک وہ سنتا ہے، دیکھتا

ہے کلام کرتا ہے ارادہ کرتا ہے مگر وہ ہماری طرح دیکھنے کے لئے آنکھ، سننے کیلئے کان کلام کرنے کیلئے زبان اور ارادہ کرنے کیلئے ذہن کا محتاج نہیں کیونکہ یہ سب اجسام ہیں اور وہ اجسام اور زمان ومکاں سے پاک ہے نیز اس کا کلام، آواز والفاظ سے بھی پاک ہے۔

قرآن وحدیث میں جہاں ایسے الفاظ آئے ہیں وہ بظاہر جسم پر دلالت کرتے ہیں جیسے ید، وجہ، استواء وغیرہ ان کے ظاہری معنی لینا گمراہی و بدمذہبی ہے ایسے متشابہ الفاظ کی تاویل کی جاتی ہے کیونکہ ان کا ظاہری معنی رب تعالیٰ کے حق میں محال ہے مثال کے طور پر یدٌ کی تاویل قدرت سے وجہ کی ذات اور استواء کی غلبہ وتوجہ سے کی جاتی ہے بلکہ احتیاط اس میں ہے کہ بلاضرورت تاویل کرنے کی بجائے ان کے حق ہونے پر یقین رکھے۔ ہمارا عقیدہ ہونا چاہیے کہ یدٌ حق ہے، استواء، حق ہے مگر اس کا یدٌ مخلوق کا سا یدٌ نہیں اور اس کا استوا مخلوق کا سا استواء نہیں۔

اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے:

اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے، وہ جسے چاہے اپنے فضل سے ہدایت دے اور جسے چاہے اپنے عدل سے گمراہ کرے۔ یہ اعتقاد رکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ عادل ہے کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا، کسی کو اطاعت یا معصیت کے لئے مجبور نہیں کرتا، کسی کو بغیر گناہ کے عذاب نہیں فرماتا اور نہ ہی کسی کا اجر ضائع کرتا ہے وہ استطاعت سے زیادہ کسی کو آزمائش میں نہیں ڈالتا اور یہ اس کا فضل وکرم ہے کہ مسلمانوں کو جب کسی تکلیف ومصیبت میں مبتلا کرتا ہے اس پر بھی اجر وثواب عطا فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے افعال میں پوشیدہ حکمتیں:

اس کے ہر فعل میں کثیر حکمتیں ہوتی ہیں خواہ وہ ہماری سمجھ میں آئیں یا نہیں۔

اس کی مشیت اور ارادے کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا مگر وہ نیکی سے خوش ہوتا ہے۔ اور برائی سے ناراض۔ برے کام کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا بے ادبی ہے اس لئے حکم ہوا:

''تجھے جو بھلائی پہنچے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جو برائی پہنچے وہ تیری اپنی طرف سے ہے''۔(النسا ۹۷)

پس برا کام کر کے تقدیر یا مشیت الٰہی کی طرف منسوب کرنا بہت بری بات ہے اس لئے اچھے کام کو اللہ عزوجل کے فضل کرم کی طرف منسوب کرنا چاہیے اور برے کام کو شامت نفس سمجھنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کے وعدہ وعید تبدیل نہیں ہوتے، اس نے اپنے کرم سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ کفر کے سوا ہر چھوٹے بڑے گناہ کو جسے چاہے معاف فرمادے گا، مسلمانوں کو جنت میں داخل فرمائے گا اور کفار کو اپنے عدل سے جہنم میں ڈالے گا۔

اللہ تعالیٰ ہی رازق ہے:

بیشک اللہ تعالیٰ ہی رازق ہے وہی مخلوق کو رزق دیتا ہے حتیٰ کہ کسی کونے میں جالا بنا کر بیٹھی ہوئی مکڑی کے رزق کو پر لگا کر اڑاتا ہے اور اس کے پاس پہنچا دیتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

''بیشک بندے کا رزق اس کو ایسے تلاش کرتا ہے جیسے اسے موت ڈھونڈتی ہے''۔

یعنی جب موت کا بروقت آنا یقینی ہے تو رزق کا ملنا بھی یقینی ہے۔ اللہ عزوجل جس کا رزق چاہے وسیع فرماتا ہے اور جس کا رزق چاہے تنگ کر دیتا ہے ایسا کرنے میں اس کی بیشمار حکمتیں ہیں کبھی وہ رزق کی تنگی سے آزماتا ہے اور کبھی رزق کی فروانی سے پس

بندے کو چاہیے کہ وہ حلال ذرائع اختیار کرے۔

مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ

''رزق میں دیر ہونا تمہیں اس پر نہ اکسائے کہ تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے رزق حاصل کرنے لگو''۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

''اور جو ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ سے اس کے لئے وہ نجات کا راستہ بنا دیتا ہے اور اسے وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوتا، اور جو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھے گا تو اس کے لئے وہ کافی ہے''۔ (الطلاق ۳)

علم الٰہی:

اللہ عزوجل کا علم ہر شے کو محیط ہے اس کے علم کی کوئی انتہا نہیں، ہماری نیتیں اور خیالات بھی اس سے پوشیدہ نہیں، وہ سب کچھ ازل سے جانتا تھا اب بھی جانتا ہے اور ابد تک جانے گا، اشیاء بدلتی ہیں مگر اس کا علم نہیں بدلتا۔ ہر بھلائی و برائی اس نے ازلی علم کے مطابق تحریر فرما دی ہے، جیسا ہونے والا تھا اور جیسا کرنے والا تھا اس نے لکھ لیا۔ یوں سمجھ لیجئے کہ جیسا ہم اپنے ارادے اور اختیار سے کرنے والے تھے ویسا اس نے لکھ دیا یعنی اس کے لکھ دینے نے کسی کو مجبور نہیں کر دیا ورنہ جزا و سزا کا فلسفہ بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے یہی عقیدہ تقدیر ہے۔

قضا و تقدیر کی تین قسمیں

1۔ قضائے مبرم حقیقی:

یہ لوح محفوظ میں تحریر ہے اور علم الٰہی میں کسی شے پر معلق نہیں، اس کا بدلنا ناممکن

ہے اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے بھی اگر اتفاقاً اس بارے میں کچھ عرض کرنے لگیں تو انہیں اس خیال سے واپس کر دیا جاتا ہے۔

2-قضائے معلق:

اس کا صحف ملائکہ میں کسی شے پر معلق ہونا ظاہر فرما دیا گیا ہے اس تک اکثر اولیاء اللہ کی رسائی ہوتی ہے۔ یہ تقدیر ان کی دعا سے یا اپنی دعا سے یا والدین کی خدمت اور بعض نیکیوں سے خیر و برکت کی طرف تبدیل ہو جاتی ہے اور اسی طرح گناہ ظلم اور والدین کی نافرمانی وغیرہ سے نقصان کی طرف تبدیل ہو جاتی ہے۔

3-قضائے مبرم غیر حقیقی:

یہ صحف ملائکہ کے اعتبار سے مبرم ہے مگر علم الٰہی میں معلق ہے اس تک خاص اکابر کی رسائی ہوتی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ بعض مقرب اولیاء کی توجہ سے اور پر خلوص دعاؤں سے بھی یہ تبدیل ہو جاتی ہے۔ سرکار غوث اعظم سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، میں قضائے مبرم کو رد کرتا ہوں۔ حدیث پاک میں اسی کے بارے میں ارشاد ہوا۔ بیشک دعا قضائے مبرم کو ٹال دیتی ہے۔

مثال کے طور پر فرشتوں کے صحیفوں میں زید کی عمر ۶۰ برس تھی اس نے سرکشی و نافرمانی کی تو ۲۰ برس پہلے ہی اس کی موت کا حکم آ گیا اس نے نیکیاں کیں تو ۲۰ برس مزید زندگی کا حکم فرما دیا گیا، تقدیر میں تبدیلی ہوئی لیکن علم الٰہی اور لوح محفوظ میں وہی ۴۰ یا ۸۰ برس زندگی لکھی ہوئی تھی اور اسی کے مطابق ہوا۔

قضاوقدر کے مسائل عام عقلوں میں نہیں آ سکتے اس لئے ان میں بحث اور زیادہ غور و فکر کرنا ہلاکت اور گمراہی کا سبب ہے صحابہ کرام علیہم الرضوان اس مسئلہ میں بحث کرنے سے منع فرمائے گئے تو ہم اور آپ کس گنتی میں ہیں۔ بس اتنا سمجھ لیجئے اللہ تعالیٰ

نے آدمی کو پتھر کی طرح بے اختیار اور مجبور پیدا نہیں کیا بلکہ اسے ایک طرح کا اختیار دیا ہے کہ وہ کوئی کام چاہے کرے، چاہے نہ کرے اور اس کے ساتھ ہی عقل بھی دی ہے کہ اپنے بھلے برے اور نفع نقصان کو پہچان سکے اور اس کے لئے ہر قسم کے اسباب بھی مہیا کر دیئے ہیں جب بندہ کوئی کام کرنا چاہتا ہے اسی قسم کے اسباب اختیار کرتا ہے اسی بناء پر مواخذہ اور جزا وسزا ہے خلاصہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو بالکل مجبور یا بالکل مختار سمجھنا دونوں گمراہی ہیں۔

ہدایت دینے والی اللہ کی ذات ہے:

ہدایت دینے والا اللہ تعالیٰ ہے، حبیب کبریا ﷺ ہیں، چنانچہ ارشاد ہوا،

''اور بیشک تم ضرور سیدھی راہ بتاتے ہو''۔ (الشوریٰ ۵۲)

شفا دینے والا وہی ہے مگر اس کی عطا سے قرآنی آیات اور دواؤں میں بھی شفا ہے ارشاد ہوا:

''اور ہم قرآن میں اتارتے ہیں وہ چیز جو ایمان والوں کے لئے شفا اور رحمت ہے''۔ (بنی اسرائیل ۸۱)

شہد کے بارے میں فرمایا گیا:

''اس میں لوگوں کیلئے شفا ہے''۔ (النحل ۶۹)

بیشک اللہ تعالیٰ ہی اولاد دینے والا ہے مگر اس کی عطا سے اس کے مقرب بندے بھی اولاد دیتے ہیں حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام سے فرمایا:

''میں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں تا کہ میں تجھے ایک ستھرا بیٹا دوں''۔

(مریم:۱۹)

اللہ عزوجل ہی موت اور زندگی دینے والا ہے مگر اس کے حکم سے یہ کام مقرب بندے

کرتے ہیں، ارشاد ہوا:

''تمہیں وفات دیتا ہے موت کا فرشتہ جو اس کام پر مقرر ہے''۔ (السجدہ:۱۱)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد ہے:

''میں مُردے زندہ کرتا ہوں اللہ کے حکم سے''۔ (آل عمران ۴۹)

سورۃ النازعات کی ابتدائی آیات میں فرشتوں کا تصرف واختیار بیان فرمایا گیا۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کی بعض صفات بندوں کیلئے صراحتاً بیان ہوئی ہیں جیسے سورۃ الدہر آیت ۲ میں انسان کو ''سمیع وبصیر'' کہا گیا، سورۃ البقرۃ آیات ۱۴۳ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ''شہید'' فرمایا گیا، سورۃ التوبہ آیت ۱۲۸ میں حضور علیہ السلام کا ''رؤف الرحیم'' ہونا بیان فرمایا گیا اسی طرح حیات، علم، کلام، ارادہ وغیرہ متعدد صفات اللہ تعالیٰ کیلئے بیان ہوئی ہیں۔ اس بارے میں یہ حقیقت ذہن نشین رہے کہ جب کوئی صفت اللہ تعالیٰ کے لئے بیان ہوگی تو وہ ذاتی، واجب ازلی ابدی، لامحدود اور شان خالقیت کے لائق ہوگی اور وہ جب کسی مخلوق کیلئے ثابت ہوگی تو عطائی، ممکن، حادث، عارضی، محدود اور شان مخلوقیت کے لائق ہوگئی پس جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کسی اور ذات کے مشابہ نہیں اسی طرح اس کی صفات بھی مخلوق کی صفات کے مماثل نہیں۔

استعانت کی قسمیں:

استعانت کی دو قسمیں ہیں حقیقی اور مجازی۔ استعانت حقیقی یہ ہے کہ کسی کو قادر بالذات، مالک مستقل اور حقیقی مددگار سمجھ کر اس سے مدد مانگی جائے یعنی اس کے بارے میں یہ عقیدہ ہو کہ وہ عطائے الٰہی کے بغیر خود اپنی ذات سے مدد کرنے کی قدرت رکھتا ہے غیر خدا کے لیے ایسا عقیدہ رکھنا شرک ہے اور کوئی مسلمان بھی انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیائے عظام کے متعلق ایسا عقیدہ نہیں رکھتا۔ استعانت مجازی یہ ہے

کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کی مدد کا مظہر، حصول فیض کا ذریعہ اور قضائے حاجات کا وسیلہ جان کر اس سے مدد مانگی جائے اور یہ قطعاً حق ہے اور قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی کو مدد گار بنانے کی دعا کی جو قبول ہوئی۔ (طٰہٰ: ۳۶) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حواریوں سے مدد مانگی۔ (آل عمران: ۵۲) ایمان والوں کو صبر اور نماز سے مدد مانگنے کا حکم دیا گیا (البقرہ: ۱۵۳) حضرت ذوالقرنین کا لوگوں سے بھی مدد مانگنا مذکور ہے (الکہف: ۹۵) نیک کاموں میں مسلمانوں کو مدد گار بننے کا حکم دیا گیا ہے (المائدہ: ۲) ایک جگہ صالحین اور فرشتوں کا مدد گار ہونا یوں بیان فرمایا گیا ہے،

"بیشک اللہ ان کا مدد گار ہے اور جبرائیل اور نیک ایمان والے اور اس کے بعد فرشتے مدد گار ہیں"۔ (التحریم: ۴)

ایک جگہ یوں ارشاد ہوا:

"بیشک تمہارے مدد گار تو صرف اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اور ایمان والے ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے حضور جھکے ہوئے ہیں"۔ (المائدہ: ۵۵)

ان دلائل وبراہین سے ثابت ہوا کہ حقیقی مدد گار اور مشکل کشا اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اس کی عطا سے اس کے محبوب بندے بھی مدد گار ہوتے ہیں۔ پس محبوبان خدا کو مدد گار اور متصرف سمجھنا اور ان سے مدد مانگنا ہرگز شرک نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا مدد گار اور مشکل کشا ہونا بالذات اور مخلوق سے بے نیاز وغنی ہو کر ہے جبکہ انبیاء کرام، اولیاء عظام اور مومنوں کا مدد گار اور مشکل کشا ہونا اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہے اور یہ سب اللہ عزوجل کے فضل وکرم کے محتاج ہیں نیز ان کا تصرف واختیار اور طاقت اذن الٰہی کے تابع ہے۔

باب دوم:

عقائد متعلقہ نبوت ورسالت

نبی اس اعلیٰ وارفع شان والے بشر کو کہتے ہیں جس پر اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کی ہو اور اس کی تائید معجزات سے فرمائی ہو۔ جس طرح ہمیں اپنی اختیاری حرکات پر قدرت ہوتی ہے اسی طرح انبیاء کرام کے معجزات ان کے اختیار میں ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے لوگوں کی ہدایت کے لئے انبیاء کرام کو معبوث فرمایا۔ سب انبیاء کرام مرد تھے نہ کوئی جن نبی ہوا اور نہ کوئی عورت نبی ہوئی۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی فضیلت:

انبیاء کرام علیہم السلام تمام مخلوق حتی کہ رسل ملائکہ سے بھی افضل ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اور ہم نے ہر ایک کو اس کے وقت میں سب پر فضیلت دی"۔ (الانعام ۸۶)

جو شخص کسی غیر نبی کو کسی نبی سے افضل یا برابر بتائے وہ کافر ہے اسی طرح جو یہ کہے کہ غیر نبی بسا اوقات اعمال میں انبیاء کرام سے بڑھ جاتے ہیں وہ گمراہ بد مذہب ہے۔ انبیاء کرام کی تعداد معین کرنا جائز نہیں بس یہ اعتقاد ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء علیہم السلام پر ہمارا ایمان ہے جنکی تعداد کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار بیان کی جاتی ہے۔

نبوت کسبی نہیں ہوتی:

نبوت کسبی نہیں کہ کوشش وریاضت سے حاصل ہو سکے، یہ محض اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔

ارشاد ہوا:

''اللہ خوب جانتا ہے جہاں اپنی رسالت رکھے''۔(الانعام ۱۲۴)

لیکن اللہ ﷻ اپنے فضل و کرم سے جسے نبوت عطا فرماتا ہے اسے اس عظیم منصب کے قابل بناتا ہے اور ایسی کامل عقل عطا فرماتا ہے کہ دوسروں کی عقل اس کے کروڑویں حصے تک نہیں پہنچ سکتی۔ ہر نبی اپنے نسب و جسم، قول و فعل اور عادات و اطوار میں ہر عیب سے پاک ہوتا ہے۔

ہر نبی پیدائشی نبی ہوتا ہے:

ہر نبی پیدائشی نبی ہوتا ہے البتہ نبوت کا اعلان وہ رب تعالیٰ کے حکم سے کرتا ہے

ارشاد ہوا:

''میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے نبی بنایا''۔(مریم ۳۰)

یہ کلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے اس وقت فرمایا جبکہ آپ کی عمر چند یوم تھی۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کی ارواح کو بھی ''النبیین'' یعنی انبیاء فرمایا ہے۔(آل عمران:۸۱)

آقا و مولیٰ ﷺ کا ارشاد ہے:

''میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔(ترمذی)

نبی زمین پر اللہ تعالیٰ کا نائب اور شارع ہوتا ہے:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے''۔(النساء:۶۴)

دوسری جگہ فرمایا:

''اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں، باز رہو''۔(الحشر:۷)

ایک اور جگہ ارشاد ہوا:

''تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم! وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرمادو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں''۔(النساء۶۵)

چونکہ رسول کا بھیجنا ہی اسی لئے ہے کہ وہ مطاع بنایا جائے اور اس کی اطاعت فرض ہو تو جو اسکے حکم سے راضی نہ ہوا گویا اس نے رسالت کا انکار کیا۔ایسا شخص کافر ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام معصوم عن الخطا ہوتے ہیں:

تمام انبیاء کرام گناہوں اور خطاؤں سے معصوم ہوتے ہیں قرآن حکیم میں انبیائے کرام کے بارے میں جن امور کا ذکر ہے ان کی حقیقت گناہ نہیں بلکہ وہ یا تو نسیان ہیں جیسے حضرت آدم علیہ السلام کا گندم کا دانہ کھالینا اور یا وہ لغزش ہے جیسے حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں فرمایا گیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہوا:

''اور بیشک ہم نے آدم کو اس سے پہلے ایک تاکیدی حکم دیا تھا تو وہ بھول گیا اور ہم نے اس کا قصد نہ پایا''۔(طٰہٰ:۱۱۵)

انبیاء کرام علیہم السلام کے حق میں بھول اور لغزش دونوں جائز ہیں جبکہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں لغزش بھی جائز نہیں کیونکہ آپ کا مرتبہ انبیاء کرام سے بلند و بالا ہے آپ کے اس خاص منصب پر یہ آیات قرآنی گواہ ہیں:

''اور بیشک تم ضرور سیدھی راہ بتاتے ہو''۔(الشوریٰ:۵۲)

''بیشک تم سیدھی راہ پر ہو''۔(الحج:۶۷)

''تمہارے صاحب نہ بہکے نہ بے راہ چلے''۔(النجم:۲ کنزالایمان)

انبیاء کرام کی لغزشوں کا ذکر تلاوتِ قرآن اور روایت حدیث کے سوا سخت حرام ہے، انبیاء کرام اور فرشتوں کے سوا کوئی معصوم نہیں۔عصمتِ انبیاء کے معنی یہ ہیں کہ انبیاء کرام کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظت کا وعدہ ہے اس لئے ان سے گناہ ہونا شرعاً ناممکن ہے جبکہ صحابہ کرام اور اولیائے عظام کو اللہ عزوجل اپنے کرم سے گناہوں سے محفوظ رکھتا ہے۔لیکن ان سے گناہ صادر ہونا شرعاً محال نہیں۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی رحمت و برکت:

انبیاء کرام علیہم السلام برکت و رحمت والے ہوتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد ہے:

''اور اس نے (یعنی رب تعالیٰ نے) مجھے بابرکت کیا، میں کہیں بھی ہوں''۔(مریم:۳۱)

انبیاء کرام کے استعمال کی اشیاء بھی رب تعالیٰ کی برکتوں اور رحمتوں کے نزول کا سبب ہوتی ہیں، ارشاد ہوا:

''اور ان سے ان کے نبی نے فرمایا، اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ آئے تمہارے پاس تابوت جس میں تمہارے رب کی طرف سے دلوں کا چین ہے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں معزز موسیٰ اور معزز ہارون کے ترکہ کی''۔

(البقرہ:۲۴۸ کنزالایمان)

تفاسیر میں ہے کہ انبیاء کرام کے تبرکات والے اس صندوق کی برکت سے بنی اسرائیل جنگ میں فتح پاتے اور ان کی حاجات پوری ہوتیں۔صحابہ کرام علیہم الرضوان

بھی رسول معظم ﷺ سے نسبت والی اشیاء کو متبرک جانتے تھے اسی لئے وہ حضور ﷺ کے تھوک مبارک اور وضو سے مستعمل پانی کو نہ گرنے دیتے بلکہ اپنے چہروں اور اپنے جسموں پر مل لیتے۔ (بخاری)

فجر کے بعد لوگ پانی کے برتن لے کر بارگاہ نبوی میں حاضر ہوتے اور آپ ہر برتن میں اپنا دست مبارک ڈبو دیتے۔ (مسلم)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے پاس آقا علیہ السلام کا جبہ مبارک تھا وہ فرماتی ہیں کہ ہم اسے دھو کر بیماروں کو پلاتے ہیں تو انہیں شفاء ہو جاتی ہے۔ (مسلم)

انبیاء کرام علیہم السلام کو اپنی مثل بشر سمجھنا کیسا؟

انبیاء کرام کو اپنی مثل بشر سمجھنا گمراہی ہے قرآن حکیم نے کافروں کا طریقہ بیان کیا ہے کہ ”وہ نبیوں کو محض اپنی ہی مثل بشر کہتے تھے“۔ (المومنون: ۲۴-۳۳، یٰسین: ۱۵)

کفار مکہ بھی نور مجسم ﷺ کو اپنی ہی مثل بشر جانتے تھے۔ (الانبیاء: ۳)

حقیقت یہ ہے کہ یہ نفوس قدسیہ بشری شکل صورت میں ہی دنیا میں جلوہ گر ہوتے ہیں مگر ان کے جسمانی اور روحانی اوصاف درجہ کمال پر ہوتے ہیں اور ان کی سماعت اور بصارت اور طاقت عام انسانوں جیسی نہیں ہوتی۔

قرآن کریم سے چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی ان کی قمیض لے کر جب مصر سے روانہ ہوئے تو میلوں دور حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کی خوشبو سونگھ لی۔ (یوسف: ۹۴)

حضرت سلیمان علیہ السلام نے کئی میل دور چیونٹی کی بات سن لی جب اس نے دوسری چیونٹیوں سے کہا کہ اپنے گھروں میں چلے جاؤ، کہیں تمہیں سلیمان اور ان کے لشکر بے خبری میں کچل نہ ڈالیں، تو سلیمان علیہ السلام اس کی بات سن کر مسکرا دیے۔ (النمل: ۱۹)

''حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرش سے عرش تک ساری کائنات دیکھ لی''۔

(الانعام، کنزالایمان)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں:

''میں تمہارے لیے مٹی سے پرند کی سی مورت بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ فوراً پرند ہو جاتی ہے اللہ کے حکم سے اور میں شفا دیتا ہوں مادرزاد اندھے اور سفید داغ والے کو اور مُردے جلاتا ہوں اللہ کے حکم سے، اور تمہیں بتاتا ہوں جو تم کھاتے (ہو) اور جو اپنے گھروں میں جمع کر کے رکھتے ہو''۔ (آل عمران ۴۹ کنزالایمان)

انبیاء کرام علیہم السلام کی فرمائی ہوئی ہر بات پوری ہوتی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس دو افراد نے جھوٹے خواب بیان کیے، آپ نے تعبیر دی کہ ایک اپنے بادشاہ کو شراب پلائے گا اور دوسرے کو پھانسی دے دی جائے گی۔ وہ دونوں یہ سن کر ہنسنے لگے اور بولے، ہم نے کوئی خواب نہیں دیکھا ہم تو مذاق کر رہے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا، فیصلہ ہو چکا ہے اس بات کا جس کے متعلق تم دریافت کرتے ہو''۔ (یوسف:۴۱)

یعنی جو میں نے کہہ دیا وہ ضرور پورا ہوگا۔ چنانچہ آپ کے فرمانے کے مطابق واقع ہوا اور کیوں نہ ہوتا کہ نبی کی ہر بات پوری ہوتی ہے۔ اسی طرح قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مذکور ہے کہ آپ نے سامری سے فرمایا، دنیا میں تیری سزا یہ ہے کہ تو کہے گا کوئی مجھ سے نہ چھو جائے۔ (طٰہٰ:۹۷) چنانچہ آپ کا فرمان پورا ہوا۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام پیشن گوئیاں حرف بہ حرف پوری ہوئیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جب سوال کیا گیا کہ کیا حج ہر سال فرض ہے تو آقائے دوجہاں نے فرمایا:

''نہیں اور اگر میں ہاں کہہ دیتا تو حج ہر سال فرض ہو جاتا''۔

(احمد ترمذی، ابن ماجہ)

انبیاء کرام علیہم السلام کا نیند سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک بار میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ وتر پڑھے بغیر سو جاتے ہیں اور پھر آپ بیدار ہو کر بغیر وضو کیے وتر ادا فرماتے ہیں۔ ارشاد فرمایا: اے عائشہ! میری آنکھیں سوتی ہیں مگر میرا دل بیدار رہتا ہے۔ (بخاری)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہ ہے کہ انبیاء کرام کا وضو نواقض حکمیہ یعنی خواب و غشی سے نہیں جاتا مگر نواقض حقیقیہ یعنی پیشاب وغیرہ سے ان کی عظمت شان کے سبب جاتا رہتا ہے حضور علیہ السلام کے فضلات مبارک پیشاب وغیرہ امت کے حق میں طیب و طاہر تھے مگر آقا علیہ السلام کی اعلیٰ وارفع شان کے باعث وہ آپ کیلئے نجاست کا حکم رکھتے تھے۔

انبیاء کرام علیہ السلام کے وضو بلکہ غسل جنابت کا پانی ہمارے لئے طاہر و مطہر ہے۔ ابو رافع رضی اللہ عنہ کی اہلیہ حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کا پانی پی لیا، جب آپ کو اطلاع ہوئی تو فرمایا کہ تیرے جسم پر دوزخ کی آگ حرام ہو گئی۔ (طبرانی)

خون کا حرام ہونا نص قطعی سے ثابت ہے مگر متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ آقا علیہ السلام کے خون مبارک کو طیب طاہر جانتے تھے غزوہ احد میں مالک بن سنان رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم کا خون چوسا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو جنتی کو دیکھنا چاہتا ہے وہ انہیں دیکھ لے۔ (زرقانی، کتاب الشفاء)

جب آقا علیہ السلام نے پچھنے لگوائے تو ان کا خون حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے پی لیا تو حضور علیہ السلام نے انہیں دوزخ سے نجات کی خوشخبری دی۔ (حاکم، طبرانی بیہقی)

انبیاء کرام علیہم السلام کی ایک اور خصوصیت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یوں بیان کی ہے کہ کسی نبی کو کبھی احتلام نہیں ہوا کیونکہ احتلام شیطان کے اثر سے ہوتا ہے اور انبیاء کرام شیطان کے اثر سے محفوظ ہوتے ہیں۔ (طبرانی زرقانی خصائص کبریٰ)

انبیاء کرام علیہم السلام کے مختلف درجے ہیں بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہے۔ جس نبی پر کتاب نازل ہو، اسے رسول کہتے ہیں گویا ہر رسول نبی ہوتا ہے مگر ہر نبی رسول نہیں ہوتا، تمام انبیاء و رسل علیہم السلام میں ہمارے آقا مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے افضل ہیں آپ کے بعد بالترتیب ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام تمام انبیاء میں افضل ہیں انہیں اولوالعزم کہا جاتا ہے۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق میں سب سے افضل ہیں:

جس کو جو بھی اوصاف وکمالات دیے گئے وہ سب حضور علیہ السلام کو عطا فرمائے گئے بلکہ آپ کو ایسے کمالات بھی عطا فرمائے گئے جو کسی کو نہیں دیے گئے حقیقت یہ ہے کہ جس کو جو بھی ملا، وہ آپ ہی کے طفیل بلکہ آپ کے دست اقدس سے ملا ہے۔ آپ کا فرمانِ عالیشان ہے:

''بیشک میں تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ عطا فرمانے والا ہے''۔

(بخاری ومسلم)

یہ ناممکن ومحال ہے کہ کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مثل ہو جو کسی صفت میں کسی کو حضور کی مثل بتائے گمراہ ہے یا کافر۔

بخاری ومسلم میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنے صحابہ سے فرمایا: ایکم مثلی۔
''تم میں کون میری مثل ہے؟ بیشک میں اس حال میں رات گزارتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا''۔

دوسری روایت میں ہے:

انی لست مثلکم۔
''بیشک میں تمہاری مثل نہیں ہوں''۔

تیسری روایت میں ہے:

لست کاحد منکم۔

''میں تمہارے جیسا نہیں ہوں''۔ (بخاری ومسلم)

حضور ﷺ سراپا نور ہیں:

اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق سے قبل نور مجسم ﷺ کے نور کو اپنے فیض سے تخلیق فرمایا پھر وہ نور جہاں رب تعالیٰ کو منظور ہوا، سیر کرتا رہا اور پھر نور مصطفیٰ ﷺ بشری شکل وصورت میں حضرت عبداللہ وحضرت آمنہ رضی اللہ عنہما کے گھر میں جلوہ گر ہوا۔ متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ شب معراج میں ایک مقام پر نوری مخلوق سید الملائکہ حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی آگے جانے سے عاجز ہو گئے تھے مگر آقا ومولیٰ ﷺ اس سے بھی آگے عرش ولامکاں میں جلوہ فرما ہوئے اور سر مبارک کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا، حضور علیہ السلام کی حقیقت کو کماحقہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔

تمام انبیاء کرام، اللہ عزوجل کی بارگاہ اقدس میں عزت ووجاہت اور عظمت وبزرگی والے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہوا،

''اور آپ اللہ کے نزدیک بڑی عزت والے ہیں۔ (الاحزاب:۶۹)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا گیا:

''معزز ہوگا دنیا اور آخرت میں اور مقربین میں سے ہوگا''۔ (آل عمران ۴۵)

انبیاء کرام علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک چوڑھے چمار کی مثل کہنا کھلی گستاخی اور کفر ہے۔

گستاخ رسول واجب القتل ہے:

امت کا اجماع ہے کہ جو شخص نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں گستاخی کرے یا آپ

کی ذات اقدس کو کسی قسم کا عیب لگائے یا نقص تلاش کرے یا عوارض بشری جو آپ کیلئے جائز تھے، ان کی وجہ سے آپ کی تحقیر کرے یا آپ کی شان گھٹانے کی کوشش کرے وہ کافر اور واجب القتل ہے اور جو اس کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ ایسا ذو معنی لفظ کہنا بھی گستاخی اور توہین ہے جس کا مفہوم گستاخی کا ہو خواہ وہ لفظ توہین کی نیت سے نہ کہا جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اے ایمان والوں! ''راعنا'' نہ کہو بلکہ انظرنا کہو اور غور سے سنا کرو اور کافروں کیلئے دردناک عذاب ہے''۔ (البقرۃ:۱۰۴)

تعظیم مصطفیٰ فرضِ عین ہے:

سید الانبیاء محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی تعظیم فرض عین بلکہ ایمان کی جان ہے ارشاد ہوا:

''اے لوگو! تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو اور صبح و شام اللہ کی پاکی بولو''۔ (الفتح:۹ کنز الایمان)

ثابت ہوا کہ ایمان مقدم ہے یعنی ایمان کے بغیر تعظیم و توقیر قبول نہ ہوگی اور حضور علیہ السلام کی تعظیم و توقیر کے بغیر ساری عبادات اور نیکیاں بیکار ہوں گی۔ آقا علیہ السلام کی تعظیم کا تقاضا ہے کہ ان تمام چیزوں کی بھی تعظیم کی جائے جو آپ سے نسبت رکھتی ہوں۔ ارشاد ہوا:

''اور جو اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے''۔ (الحج:۳۲)

بیشک حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے شعائر میں سے عظیم ترین نشانی ہیں اسی لیے صحابہ کرام آپ کے تھوک مبارک، بال مبارک اور وضو کا مستعمل پانی زمین پر نہ گرنے

دیتے، لعاب دہن اور اعضائے وضو کا دھوون اپنے چہروں پر مل لیتے اور بال مبارک حصول برکت کے لئے محفوظ کر لیتے۔ (بخاری، مسلم)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ایمان کی بنیاد ہے:

جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ایمان کی بنیاد ہے اور روح ہے۔ آقا مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالیشان ہے:

"تم میں سے کوئی بھی مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اسے اس کے والد، اسکی اولاد اور سب لوگوں سے پیارا نہ ہو جاؤں"۔ (بخاری مسلم)

آپ نے اپنے ایک محبت کرنے والے صحابی کو خوشخبری دی:

"انت مع من احببت"۔

"یعنی تم جن سے محبت کرتے ہو کل قیامت میں انہی کے ساتھ رہو گے"۔

(بخاری)

دوسری حدیث میں فرمایا:

المرء مع من احب۔

"جو جس سے محبت کرتا ہے قیامت میں اسی کے ساتھ ہوگا"۔ (بخاری، مسلم)

قرآن کریم میں بھی ایمان کی شرط یہی بیان ہوئی ہے کہ اللہ عزوجل اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت دنیا کی ہر شے سے زائد ہونی چاہیے۔ (التوبہ:۲۴)

محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی علامات میں سے ہے کہ آقا علیہ السلام کی اطاعت وغلامی کی جائے آپ کی تعظیم کی جائے آپ کی تعلیمات وسیرت طیبہ کا علم حاصل کیا جائے۔ آپ کے ذکر اور درود وسلام کی کثرت کی جائے، روضۂ مطہرہ پر حاضری کی تڑپ پیدا کی جائے، آپ کے آل واصحاب اور تمام متعلقین ومتوسلین سے محبت کی جائے اور

آپ کے گستاخوں اور بے ادبوں سے نفرت وعداوت کی جائے۔

انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں:

انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں اسی طرح حقیقی طور پر زندہ ہیں جیسے دنیا میں تھے، وہ کھاتے پیتے ہیں، جہاں چاہتے ہیں آتے جاتے ہیں اور تصرف فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق ان پر ایک آن کیلئے موت طاری ہوئی اور پھر زندہ کر دیئے گئے۔ شہداء کے بارے میں ارشاد ہوا:

''اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہرگز انہیں مردہ خیال نہ کرنا بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں۔ (اور) روزی پاتے ہیں''۔

(آل عمران: ۱۶۹، کنزالایمان)

علامہ سیوطی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: کوئی نبی ایسا نہیں کہ اس نے نبوت کے ساتھ وصف شہادت نہ جمع کیا ہو پس وہ اس آیت کے عموم میں ضرور ہوں گے۔ (انباء الاذکیا)

یہ امر طے شدہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام دیگر تمام مخلوق سے افضل ہیں لہٰذا ان کی زندگی شہداء کی زندگی سے یقیناً بہت اعلیٰ وارفع ہے، شہدا کا ترکہ تقسیم ہوتا ہے اور اس کی بیوی عدت کے بعد نکاح کر سکتی ہے جبکہ انبیاء کرام کے متعلق یہ دونوں باتیں جائز نہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''ان کے بعد ان کی بیویوں سے نکاح نہ کرو''۔ (الاحزاب)

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''بیشک اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کے اجسام کا کھانا زمین پر حرام فرما دیا، پس اللہ تعالیٰ کے نبی زندہ ہیں اور رزق دیے جاتے ہیں''۔ (ابن ماجہ)

ایک اور حدیث میں ہے:

''انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں''۔ (بیہقی)

ایک اور ارشاد گرامی ہے:

''جب کوئی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر لوٹا دیتا ہے یعنی میری روح کی توجہ سلام بھیجنے والے کی طرف ہو جاتی ہے یہاں تک کہ میں اس کو اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں''۔ (مسند احمد، ابوداؤد، بیہقی)

آقا علیہ السلام نے فرمایا کہ جمعہ کے دن مجھ پر زیادہ درود بھیجا کرو کیونکہ وہ یوم مشہود ہے اس دن فرشتے حاضر ہوتے ہیں، جو شخص مجھ پر درود پڑھتا ہے اسکی آواز مجھ تک پہنچ جاتی ہے خواہ وہ کہیں بھی ہو۔ صحابہ نے عرض کی: کیا آپ کے وصال کے بعد بھی؟ فرمایا: ہاں میرے وصال کے بعد بھی، بیشک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ نبیوں کے جسموں کو کھائے۔

اس حدیث کو حافظ منذری نے ترغیب میں بیان کر کے فرمایا کہ ابن ماجہ نے اسے سند جید کے ساتھ روایت کیا۔ (طبرانی جلاء الافہام)

ایک اور ارشاد مبارک ہے:

''اہل محبت کا درود میں خود سنتا ہوں اور انہیں پہچانتا بھی ہوں''۔

(دلائل الخیرات)

ان احادیث مبارکہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بعد از وصالِ ظاہری درود و سلام سننا بھی ثابت ہو گیا۔

شارح بخاری امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جمہور علماء کا اتفاق ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور وفات میں کوئی فرق نہیں ہے آپ اب بھی اپنی امت کا مشاہدہ فرما رہے ہیں اور ان کی حالتوں، نیتوں ارادوں اور دل کے خیالات کو بھی جانتے ہیں اور سب امور آپ پر بالکل ظاہر ہیں ان

میں کوئی شے پوشیدہ نہیں ہے"۔ (مواہب اللدنیہ جلد۲)

تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے علم غیب عطا فرمایا:

تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے علم غیب عطا فرمایا اور اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو "علم ماکان و مایکون"۔

"یعنی کائنات میں جو کچھ ہو چکا اور جو آئندہ ہوگا ان سب کا علم آپ کو عطا فرمایا"۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اللہ تعالیٰ یوں نہیں کہ تم لوگوں کو غیب پر مطلع کر دے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے"۔ (آل عمران:۱۷۹)

دوسری جگہ فرمایا:

"(اے حبیب) تم کو سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے"۔ (النساء:۱۱۳)

ایک جگہ یوں ارشاد ہوا:

"یہ غیب کی خبریں ہم تمہاری طرف وحی کرتے ہیں"۔ (ھود:۴۹)

جن آیات قرآنی میں علم غیب کی نفی کی گئی ہے ان سے مراد اس علم کی نفی ہے جو ذاتی یعنی بغیر خدا کے بتائے ہو۔ پس اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر کوئی غیب نہیں جانتا۔

شیخ الاسلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ "خاص الاعتقاد" میں فرماتے ہیں:

"بلاشبہ غیر اللہ کے لئے ایک ذرہ کا علم ذاتی نہیں ہوسکتا، مساوی تو در کنار تمام اولین و آخرین وانبیاء و مرسلین و ملائکہ مقربین سب کے علوم مل کر علوم الٰہیہ سے وہ نسبت نہیں رکھتے جو کروڑ سمندروں سے ایک ذرا سی بوند

کے کروڑویں حصے کو ہے کہ وہ تمام سمندر اور یہ بوند کا کروڑواں حصہ دونوں متناہی اور محدود ہیں اور متناہی کو متناہی سے نسبت ضرور ہوتی ہے جبکہ علوم الٰہیہ غیر متناہی در غیر متناہی در غیر متناہی ہیں''۔

علم غیب عطائی اللہ تعالیٰ کی شان کے منافی اور انبیاء کرام ہی کی شان کے لائق ہے بعض لوگوں کا یہ اعتراض ہے کہ ہر ذرہ کا علم نبی کے لئے ماننے سے خالق ومخلوق کی برابری لازم آئے گی یہ بات باطل ومردود ہے کیونکہ محدود لامحدود اور ذاتی وعطائی کا فرق موجود ہے اس فرق کے ہوتے ہوئے بھی اگر برابری ممکن ہوتو لازم ہوگا کہ ممکن یعنی مخلوق اور واجب یعنی اللہ تعالیٰ وجود میں برابر ہو جائیں کیونکہ مخلوق بھی موجود ہے اور اللہ تعالیٰ بھی موجود اور وجود میں مساوی کہنا صریح کفر وشرک ہے۔ تعصب سے ہٹ کر دیکھا جائے تو واضح ہوگا کہ انبیاء علیہم السلام غیب کی خبریں دینے کیلئے ہی آتے ہیں کہ جنت ودوزخ، حشر ونشر اور عذاب وثواب غیب نہیں تو اور کیا ہیں؟ ان کا منصب ہی یہ ہے کہ وہ باتیں بھی ارشاد فرمائیں جن تک عقل وحواس کی رسائی ممکن نہیں اور اسی کا نام غیب ہے۔ اولیاء کرام کو بھی انبیاء کرام علیہم السلام کے وسیلے سے علم غیب عطائی حاصل ہوتا ہے انبیاء کرام کے لئے اللہ عزوجل کا دیا ہوا علمِ غیب کا منکر کافر ہے کہ وہ سرے سے نبوت ہی کا منکر ہے۔

روحِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کائنات کے ہر ذرے میں جاری وساری ہے:

اہلسنّت کا عقیدہ ہے کہ جس طرح روح اپنے بدن کے ہر جزو میں موجود ہوتی ہے اسی طرح روحِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت کائنات کے ہر ذرے میں جاری وساری ہے جس کی بناء پر جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تمام کائنات کو اپنی ہتھیلی مبارک کی طرح ملاحظہ فرماتے ہیں دور ونزدیک کی آوازیں یکساں سنتے ہیں اور اپنی روحانیت ونورانیت کے

ساتھ بیک وقت متعدد مقامات پر تشریف فرما ہو سکتے ہیں۔ جمہور اہلسنت کے نزدیک حضور ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے کا یہی مفہوم ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہوا:

"یہ نبی مسلمانوں کی جانوں سے زیادہ ان کے قریب ہے"۔ (الاحزاب:٦)

یہ بھی ارشاد ہوا:

"اے غیب بتانے والے! بیشک ہم نے آپ کو بھیجا حاضر و ناظر"۔

(الاحزاب:٤٥، الفتح:٨)

اس آیت کی تفسیر میں امام رازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"مفسرین کرام نے بیان کیا ہے کہ شاھداً کا معنی یہ ہے کہ حضور علیہ السلام اپنی امت کے افعال کا مشاہدہ فرماتے ہیں"۔ (تفسیر کبیر)

سورۃ البقرۃ کی آیت 143 کی تفسیر میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"حضور علیہ السلام تمہارے گناہوں، تمہارے ایمان کے درجات، تمہارے نیک و بد اعمال اور تمہارے اخلاص و نفاق کو جانتے ہیں"۔ (تفسیر عزیزی)

نبی کریم ﷺ کا دلوں کی کیفیات سے آگاہ ہونا اس حدیث صحیح سے بھی ثابت ہے، ارشاد ہوا:

"خدا کی قسم! مجھ پر نہ تمہارا رکوع پوشیدہ ہے اور نہ خشوع (جو دل کی ایک کیفیت ہے)، اور بیشک میں تمہیں اپنے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں"۔ (بخاری)

آقا علیہ السلام کا فرمان عالیشان ہے:

"بیشک میں تمہارا سہارا اور تم پر گواہ ہوں، اور خدا کی قسم! میں اپنے حوض کوثر کو اِس وقت بھی دیکھ رہا ہوں اور بیشک مجھے زمین کے خزانوں کی

کنجیاں عطا کر دی گئی ہیں''۔ (بخاری)

دوسری حدیث میں ہے:

''میں وہ چیزیں دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور میں وہ آوازیں سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے، آسمان چر چرا رہا ہے اور اس کو ایسا ہی کرنا چاہیے کیونکہ اس میں چار انگشت جگہ بھی ایسی نہیں جہاں کوئی فرشتہ سجدہ میں نہ ہو''۔ (ترمذی)

ایک اور ارشاد گرامی ہے:

''اللہ تعالیٰ نے میرے لیے دنیا کو ظاہر فرمایا پس میں دنیا کو اور جو کچھ اس میں قیامت تک ہونے والا ہے، سب کو اس طرح دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی اس ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں''۔ (طبرانی، ابونعیم)

بعض کم عقل اور ناسمجھ لوگ جہالت و تعصب کے باعث انبیاء کرام کی ان صفات کا انکار کرتے ہیں اور اپنی دانست میں ان صفات کا ماننا شرک گردانتے ہیں حالانکہ قرآن و حدیث میں انبیاء کرام علیہم السلام کے غلاموں کی بھی اعلیٰ شان بیان ہوئی ہے، سورۃ النمل میں ہے کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں یمن کی وادی صبا سے تختِ بلقیس کو لانے کا ذکر ہوا تو۔

''اس نے عرض کی کہ جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ میں اسے آپ کے حضور میں حاضر کر دوں گا پلک جھپکنے سے پہلے''۔ (النمل: ۴۰)

اور پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس امتی نے پلک جھپکنے سے پہلے وہ تخت یمن سے بیت المقدس میں حاضر کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے دریائے نیل جاری ہو گیا۔ (تاریخ الخلفاء)

حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ اسلامی لشکر کے ساتھ نہاوند میں جہاد کر رہے تھے اور کافر پہاڑ کی طرف سے حملہ کرنا چاہتے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ میں خطبہ دیتے

ہوئے یہ سب کچھ دیکھ کر پکارا:

''اے ساریہ! پہاڑ کو لو''۔

میلوں دور مجاہدین نے یہ آواز سن لی اور پہاڑ کی طرف ہو گئے پھر فتح پائی۔ (مشکوٰۃ)

اولیاء اللہ کا یہ تصرف واختیار اللہ عزوجل ہی کا عطا کردہ ہے حدیث قدسی ہے کہ رب تعالیٰ نے فرمایا:

''میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اسکی آنکھیں ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اور اسکے ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اور اس کے پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اگر وہ مجھ سے مانگے تو میں اس کو دیتا ہوں اور اگر وہ میری پناہ مانگے تو اس کو پناہ دیتا ہوں''۔ (بخاری)

امام رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں کہ جب اللہ کا نور جلال بندے کی سماعت ہو جاتا ہے تو وہ بندہ دور، نزدیک کی آوازیں یکساں سن سکتا ہے اور جب یہ نور بندے کی بصارت ہو جاتا ہے تو وہ دور، نزدیک کی چیزوں کو یکساں دیکھ سکتا ہے اور جب یہ نور بندے کا ہاتھ ہو جائے تو وہ دور، نزدیک کی چیزوں میں تصرف کرنے پر قادر ہو جاتا ہے۔ اللہ اکبر! جب اولیاء کرام کی یہ شان ہے تو انبیاء کرام علیہم السلام کا مقام تو یقیناً بہت اعلیٰ وارفع ہے، قادر مطلق اللہ عزوجل نے اپنے کرم سے وعدہ فرمایا ہے کہ ہر آنے والا لمحہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پہلے سے بہتر ہے۔ (الضحیٰ:۴) گویا لمحہ بہ لمحہ آپ کے درجات ومراتب میں ترقی ہو رہی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حرف ''یا'' کے ساتھ پکارنا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حرف ''یا'' کے ساتھ ندا کرنا اور ''الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ'' کہنا نہ صرف صحابہ کرام کی سنت ہے بلکہ اس دور میں صحیح العقیدہ مسلمان ہونے کی علامت ہے، اسے کفر و شرک کہنے والا خود گمراہ و بد مذہب ہے۔ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نابینا صحابی کو قضائے حاجت کے لیے دعا تعلیم فرمائی:

''اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں اور تیری طرف توجہ کرتا ہوں تیرے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے جو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رحمت ہیں، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں آپ کے وسیلے سے اپنے رب کے دربار میں اس لئے متوجہ ہوا ہوں کہ میری یہ حاجت پوری ہو جائے۔ یا اللہ! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما''۔ (حاکم، ترمذی، ابن ماجہ، نسائی، بیہقی، طبرانی)

امام بخاری نے الادب المفرد میں روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا پاؤں سو گیا کسی نے کہا: انہیں یاد کرو جو تمہیں سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ آپ نے بلند آواز سے فرمایا۔ یا محمداہ صلی اللہ علیہ وسلم! تو آپ کا پاؤں فوراً صحیح ہو گیا۔ امام نووی نے کتاب الاذکار میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا اور ابن اثیر نے تاریخ کامل میں حضرت بلال بن الحارث المزنی رضی اللہ عنہ کا یا محمداہ صلی اللہ علیہ وسلم ندا کرنا روایت کیا ہے۔ آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو حروف ندا کے ساتھ مخاطب کر کے سلام عرض کرنا یعنی ''السلام علیك ایها النبی'' کہنا جب نماز میں واجب ہے تو نماز کے باہر کیسے شرک ہو سکتا ہے؟ شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

''یہ خطاب اس لیے ہے کہ حقیقت محمد یہ صلی اللہ علیہ وسلم موجودات کے ذرے ذرے میں اور ممکنات کے ہر فرد میں سرایت کیے ہوئے ہے پس نور کبریا صلی اللہ علیہ وسلم ہر

نمازی کی ذات میں موجود و حاضر ہیں نمازیوں کو چاہیے کہ اس حقیقت سے آگاہ رہیں''۔(اشعۃ اللمعات)

امام عبدالوہاب شعرانی نے کتاب المیزان میں، امام غزالی نے احیاء العلوم میں حافظ ابن حجر نے فتح الباری شرح بخاری میں، امام عینی نے عمدۃ القاری شرح بخاری میں اور امام قسطلانی نے مواہب الدنیہ میں یہی عقیدہ بیان کیا ہے۔(رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو''۔(المائدہ:۳۵ کنز الایمان)

وسیلہ کی دو قسمیں ہیں اول یہ کہ جسے وسیلہ بنایا جائے بارگاہِ الٰہی میں قرب حاصل کرنے کے لیے دعا میں اس کا ذکر کیا جائے، جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے:

''اور اس سے پہلے وہ اسی نبی کے وسیلے سے کافروں پر فتح مانگتے تھے''۔

(البقرہ:۸۹)

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو وسیلہ بنا کر دعا کی۔

دوم یہ کہ کسی مقرب بندے سے منسوب جگہ یا شے یا کسی عمل صالح کو وسیلہ بنایا جائے جیسے کہ قرآن کریم میں حضرت زکریا علیہ السلام کا حضرت مریم علیہا السلام کی محراب میں کھڑے ہو کر اولاد کیلئے دعا کرنا۔(آل عمران:۳۸)

حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیض سے حضرت یعقوب علیہ السلام کا بینائی حاصل کرنا۔

(یوسف:۹۳)

تبرکات انبیاء والے تابوت سے بنی اسرائیل کی مشکلیں آسان ہونا(البقرۃ:۲۴۸) بیان ہوا ہے۔

احادیث مبارکہ سے بھی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ مبارک دھو کر مریضوں کو پلاتیں تو وہ شفایاب ہو جاتے۔ (مسلم)

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنی ٹوپی میں موئے مبارک سی رکھے تھے۔
(حاکم، بیہقی)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما منبر نبوی پر اپنے ہاتھ پھیر کر منہ پر ملتے۔ (کتاب الشفاء)

ایک صحابی نے آقا علیہ السلام سے چادر مانگی تا کہ ان کا کفن بنے۔ (بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے صحابہ کرام کو روضہ اقدس کے وسیلے سے بارش مانگنے کا طریقہ بتایا۔ (مشکوٰۃ)

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام کا وسیلہ پیش کیا تو شیر مطیع ہو گیا۔ (مشکوٰۃ)

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ عزوجل کے محبوب اور نائب مطلق ہیں، رب تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت سے تمام جہان حضور علیہ السلام کا محکوم ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف کوئی کچھ نہیں کرسکتا۔ آپ مالک شریعت بنائے گئے، جو چاہیں حرام فرمائیں اور جس پر جو چاہیں حلال فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتیں آپ ہی کے دربار گوہر بار سے تقسیم ہوتی ہیں، آپ کا فرمان عالیشان ہے:

''بیشک میں تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ عطا فرمانے والا ہے''۔

(بخاری، مسلم)

متعدد صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان بارگاہ نبوی میں مشکل کشائی کیلئے فریاد کرتے، آپ کو قضائے حاجات کیلئے وسیلہ بناتے اور آپ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے تصرف واختیار سے انکی حاجت روائی اور مشکل کشائی فرماتے،

اختصار کے ساتھ چند دلائل پیش خدمت ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حافظہ مانگا جو عطا ہوا۔ (بخاری)

حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ نے جنت مانگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمائی۔

(مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ)

حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کو بھی جنت عطا فرمائی۔ (بخاری)

ایک صحابی نے قحط پڑنے پر فریاد کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے بارش ہوئی۔

(بخاری، مسلم)

حدیبیہ کے دن صحابہ کرام نے پانی کیلئے فریاد کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہوئے جس سے تقریباً ڈیڑھ ہزار صحابہ سیراب ہوئے۔

(بخاری، مسلم)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ستر اصحاب صفہ کو ایک پیالہ دودھ سے سیر کر دیا۔ (بخاری)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے گھر ہانڈی میں لعاب دہن ڈال کر ایک ہزار صحابہ کو شکم سیر فرما دیا۔ (بخاری)

سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی ٹوٹی ہوئی پنڈلی کو جوڑ دیا۔ (بخاری)

تیر لگنے سے قتادہ رضی اللہ عنہ کی باہر نکلی ہوئی آنکھ پھر روشن فرما دی، معوذ رضی اللہ عنہ کا کٹا ہوا بازو جوڑ دیا ایک گونگے کو قوت گویائی عطا فرما دی۔ (کتاب الشفاء)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وصال ظاہری کے بعد پکارنے سے متعلق چند دلائل پہلے پیش کیے جا چکے، مزید چند دلائل ملاحظہ فرمائیں:

ایک اعرابی نے روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہو کر مغفرت مانگی، روضہ مبارک سے آواز آئی، تجھے بخش دیا گیا۔ (جذب القلوب، مدارج النبوت)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے قبل وصیت فرمائی کہ میرے

جنازے کو روضۂ نبوی پر لے جا کر دفن کی اجازت طلب کرنا، صحابہ کرام علیہم نے ایسا ہی کیا تو روضۂ اقدس سے آواز آئی حبیب کو حبیب کے پاس لے آؤ۔

(تفسیر کبیر جلد ۵ صفحہ ۴۷۵)

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ جب مسیلمہ کذاب کے لشکر سے برسرِ پیکار تھے اس وقت سب کی زبان پر یہ ندا تھی: یا محمداہ (یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مدد فرمایئے) پھر مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ (ابن اثیر، طبری، البدایہ والنہایہ)

حضرت کعب بن ضمرہ رضی اللہ عنہ اپنی فوج کے ساتھ جب حلب کی فتح کے لیے لڑ رہے تھے تو پکارتے تھے: یا محمد یا محمد یا نصر اللّٰہ انزل۔ یعنی یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اے اللہ کی مدد! نزول فرما، انہیں فتح حاصل ہوئی۔ (فتوح الشام، ناسخ التوارخ)

ارشاد باری تعالیٰ عزوجل ہے:

''اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہاں کیلئے''۔ (الانبیاء: ۱۰۷)

آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت اور ہر لمحہ کائنات کے لیے رحمت ہیں اور رحمت ہونے کیلئے ضروری ہے کہ حضور علیہ السلام تمام جہانوں کے لیے حاضر و ناظر ہوں ان کی پکار کو سنتے ہوں اور انکی مشکل کشائی و حاجت روائی پر اختیار رکھتے ہوں۔ جیسا کہ دلائل و براہین کی روشنی میں بیان کیا جا چکا ہے، کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے استمداد و استعانت ہر دور میں صالحین کا معمول رہا ہے اور آقا علیہ السلام اپنے غلاموں کی دستگیری فرماتے رہے ہیں اور کیوں نہ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حاضر و ناظر ہونا، اپنے غلاموں کی پکار کو سننا اور اللہ عزوجل کے دیے ہوئے تصرف و اختیار سے انکی حاجت روائی اور مشکل کشائی فرمانا، یہ سب امور آقا علیہ السلام کے رحمۃ اللعالمین ہونے کی دلیل ہیں۔

اللہ عزوجل نے انبیاء علیہم پر جو کتابیں نازل فرمائیں وہ سب حق ہیں البتہ اب وہ اصل حالت میں موجود نہیں ہیں، لوگوں نے ان میں تحریف کر دی پھر اللہ تعالیٰ نے بے

مثل رسول صلی اللہ علیہ وسلم بے مثل و بے مثال کتاب قرآن عظیم نازل فرمائی اور اسکی حفاظت کا وعدہ فرمایا۔ ارشاد ہوا:

''بیشک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بے شک ہم خود اس کے نگہبان ہیں''۔ (الحجر:۹)

سب جن اور انسان مل کر کوشش کریں تب بھی اس میں ایک حرف کی کمی بیشی نہیں ہو سکتی اور نہ ہی اس کی مثل کوئی آیت بنائی جا سکتی ہے یہ ایک عظیم معجزہ ہے۔ جو یہ کہے کہ قرآن کریم میں کسی نے کچھ گھٹا دیا یا بڑھا دیا یا اصلی قرآن غائب امام کے پاس ہے وہ کافر ہے۔ یہی اصل قرآن ہے اور اس پر ایمان لانا ہر شخص پر لازم ہے۔

باب سوم:

عقائد متعلقہ موت وآخرت

ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے، اور ہم تمہاری آزمائش کرتے ہیں برائی اور بھلائی سے جانچنے کو، اور ہماری طرف ہی تمہیں لوٹ کر آنا ہے''۔

(الانبیاء:۳۵، کنزالایمان)

روح کے جسم سے جدا ہو جانے کا نام موت ہے اور یہ ایسی حقیقت ہے کہ جس کا دنیا میں کوئی منکر نہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''ہر شخص کی زندگی مقرر ہے نہ اس میں کمی ہو سکتی ہے اور نہ زیادتی''۔

(یونس:۴۹)

موت کے وقت کا ایمان لانا ہی معتبر ہے، مسلمان کے انتقال کے وقت وہاں رحمت کے فرشتے آتے ہیں جبکہ کافر کی موت کے وقت عذاب کے فرشتے آتر تے ہیں۔

ارواح کے مراتب:

مسلمانوں کی روحیں اپنے مرتبے کے مطابق مختلف مقامات میں رہتی ہیں بعض قبر پر، بعض کی چاہ زمزم میں، بعض کی زمین وآسمان کے درمیان، بعض کی پہلے سے ساتویں آسمان تک، بعض کی آسمانوں سے بھی بلند، بعض کی زیر عرش قندیلوں میں اور بعض کی اعلیٰ علیین میں، مگر روحیں کہیں بھی ہوں انکا اپنے جسم سے تعلق بدستور قائم

رہتا ہے جو انکی قبر پر آئے وہ اسے دیکھتے، پہچانتے اور اسکا کلام سنتے ہیں بلکہ روح کا دیکھنا قبر ہی سے مخصوص نہیں، اسکی مثال حدیث شریف میں یوں بیان ہوئی ہے کہ ایک پرندہ پہلے قفس میں بند تھا اور اب آزاد کر دیا گیا۔ ائمہ کرام فرماتے ہیں، بیشک جب پاک جانیں بدن کے علاقوں سے جدا ہوتی ہیں تو عالم بالا سے مل جاتی ہیں اور سب کچھ ایسے دیکھتی اور سنتی ہیں جیسے یہاں حاضر ہیں۔ حدیث پاک میں ارشاد ہوا جب مسلمان مرتا ہے تو اسکی راہ کھول دی جاتی ہے وہ جہاں چاہے جائے۔

کافروں کی بعض روحیں مرگھٹ یا قبر پر رہتیں ہیں، بعض چاہِ برہوت میں، بعض زمین کے نچلے طبقوں میں، بعض اس سے بھی نیچے سجین میں، مگر وہ کہیں بھی ہوں اپنے مرگھٹ یا قبر پر گزرنے والوں کو دیکھتے، پہچانتے اور انکی بات سنتے ہیں، انہیں کہیں جانے آنے کا اختیار نہیں ہوتا بلکہ یہ قید رہتی ہیں، یہ خیال کہ روح مرنے کے بعد کسی اور بدن میں چلی جاتی ہیں اس کا ماننا کفر ہے۔

دفن کے بعد قبر مردے کو دباتی ہے:

دفن کے بعد قبر مردے کو دباتی ہے، اگر وہ مسلمان ہو تو یہ دبانا ایسا ہوتا ہے جیسے ماں بچے کو آغوش میں لے کر پیار سے دبائے اور اگر وہ کافر ہو تو زمین اس زور سے دباتی ہے کہ اس کی ایک طرف کی پسلیاں دوسری طرف ہو جاتی ہیں۔ مردہ کلام بھی کرتا ہے مگر اس کے کلام کو جنوں اور انسانوں کے سوا تمام مخلوق سنتی ہے۔

بعد از وفات قبر میں مردے کے ساتھ سلوک:

جب لوگ مردے کو دفن کر کے وہاں سے واپس ہوتے ہیں تو وہ مردہ انکے جوتوں کی آواز سنتا ہے پھر اسکے پاس دو فرشتے زمین چیرتے آتے ہیں ان کی صورتیں نہایت ڈراؤنی، آنکھیں بہت بڑی اور کالی و نیلی، اور سر سے پاؤں تک ہیبت ناک

بال ہوتے ہیں ایک کا نام منکر اور دوسرے کا نام نکیر ہے وہ مردے کو جھڑک کر اٹھاتے اور کرخت آواز میں سوال کرتے ہیں پہلا سوال: مَنْ رَّبُّكَ۔ تیرا رب کون ہے؟ دوسرا سوال: مَا دِيْنُكَ تیرا دین کیا ہے؟ تیسرا سوال: حضور ﷺ کی طرف اشارہ کر کے پوچھتے: مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِيْ حَقِّ هٰذَا الرَّجُلِ۔ ان کے بارے میں تو کیا کہتا تھا؟

مسلمان جواب دیتا ہے، میرا رب اللہ ہے، میرا دین اسلام ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، فرشتے کہتے ہیں، ہم جانتے تھے کہ تو یہی جواب دے گا پھر آسمان سے ندا ہوگی میرے بندے نے سچ کہا، اس کے لیے جنتی بچھونا بچھاؤ، اسے جنتی لباس پہناؤ اور اس کیلئے جنت کی طرف سے دروازہ کھول دو، پھر دروازہ کھول دیا جاتا ہے جس سے جنت کی ہوا اور خوشبو اس کے پاس آتی رہتی ہے اور تا حد نظر اس کی قبر کشادہ کر دی جاتی ہے اور اسے کہا جاتا ہے تو سو جا جیسے دولہا سوتا ہے یہ مقام عموماً خواص کے لیے ہے اور عوام میں ان کیلئے جنہیں رب تعالیٰ دینا چاہے، اسی طرح وسعت قبر بھی حسب مراتب ہوتی ہے۔

اگر مردہ کافر و منافق ہے تو وہ ان سوالوں کے جواب میں کہتا ہے افسوس مجھے کچھ معلوم نہیں، میں جو لوگوں کو کہتے سنتا تھا وہی کہتا تھا اس پر آسمان سے منادی ہوتی ہے، یہ جھوٹا ہے اس کے لیے آگ کا بچھونا بچھاؤ، اسے آگ کا لباس پہناؤ اور جہنم کی طرف سے ایک دروازہ کھول دو پھر اس دروازہ سے جہنم کی گرمی اور لپٹ آتی رہتی ہے اس پر عذاب کیلئے دو فرشتے مقرر کر دیے جاتے ہیں جو اسے لوہے کے بڑے بڑے گرزوں سے مارتے ہیں نیز عذاب کیلئے اس پر سانپ اور بچھو بھی مسلط کر دیے جاتے ہیں۔

قبر میں عذاب ملنا یا نعمتیں ملنا حق ہیں:

قبر میں عذاب یا نعمتیں ملنا حق ہیں اور یہ روح و جسم دونوں کیلئے ہے، اگر جسم جل

جائے یا گل جائے یا خاک ہو جائے تب بھی اس کے اجزائے اصلیہ قیامت تک باقی رہتے ہیں ان اجزاء اور روح کا باہمی تعلق ہمیشہ قائم رہتا ہے اور یہ دونوں عذاب و ثواب سے آگاہ و متاثر ہوتے ہیں۔ اجزائے اصلیہ ریڑھ کی ہڈی میں ایسے باریک اجزاء ہوتے ہیں جو نہ کسی خوردبین سے دیکھے جاسکتے ہیں نہ آگ انہیں جلاسکتی ہے اور نہ ہی زمین انہیں گلاسکتی ہے۔ اگر مردہ دفن نہ کیا گیا ہو یا اسے درندہ کھا گیا ایسی صورتوں میں بھی اس سے وہیں سوال و جواب اور ثواب و عذاب ہوگا۔

دنیا کی ہر شے فانی ہے:

بیشک ایک دن زمین و آسمان، جن، انسان، فرشتے اور دیگر مخلوق فنا ہو جائے گی اس کا نام قیامت ہے، اس کا واقع ہونا برحق ہے اور اسکا منکر کافر ہے۔ قیامت آنے سے قبل چند نشانیاں ظاہر ہوں گی:

دنیا سے علم اٹھ جائے گا یعنی علماء باقی نہ رہیں گے جہالت پھیل جائے گی، بے حیائی اور بدکاری عام ہو جائے گی، عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہو جائے گی، بڑے دجال کے سوا تیس دجال ہوں گے، جو نبوت کا دعویٰ کریں گے حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا، مال کی کثرت ہوگی عرب میں کھیتی باغ اور نہریں جاری ہو جائیں گی، دین پر قائم رہنا بہت دشوار ہوگا، وقت بہت جلدی گزرے گا، زکوٰۃ دینا لوگوں پر گراں ہوگا، لوگ دنیا کے لیے دین پڑھیں گے، مرد عورتوں کی اطاعت کریں گے، والدین کی نافرمانی زیادہ ہوگی، دوست کو قریب اور والد کو دور کریں گے، مسجدوں میں آوازیں بلند ہوں گی، بدکار عورتوں، گانے بجانے کے آلات کی کثرت ہوگی، شراب نوشی عام ہو جائے گی، فاسق اور بدکار سردار حاکم ہونگے، پہلے بزرگوں پر لعن طعن کریں گے، دندے کوڑے کی نوک اور جوتے کے تسمے باتیں کریں گے۔

(ماخوذ از بخاری، مسلم، ترمذی)

ظہور دجال:

کانا دجال ظاہر ہوگا جس کی پیشانی پر کافر لکھا ہوگا جسے ہر مسلمان پڑھ لے گا، وہ حرمین طیبین کے سوا تمام زمین میں پھرے گا، اس کے ساتھ ایک باغ اور ایک آگ ہو گی جسکا نام وہ جنت و دوزخ رکھے گا، جو اس پر ایمان لائے گا اسے اپنی جنت میں ڈالے گا جو کہ حقیقت میں آگ ہوگی اور اپنے منکر کو دوزخ میں ڈالے گا جو کہ دراصل آرام و آسائش کی جگہ ہوگی۔ دجال کئی شعبدے دکھائے گا، وہ مردے زندہ کرے گا، سبزہ اگائے گا، بارش برسائے گا، یہ سب جادو کے کرشمے ہوں گے۔

ظہور مہدی:

جب ساری دنیا میں کفر کا تسلط ہوگا تو تمام ابدال و اولیاء حرمین شریفین کو ہجرت کر جائیں گے اسوقت صرف وہیں اسلام ہوگا۔ ابدال طواف کعبہ کے دوران امام مہدی رضی اللہ عنہ کو پہچان لیں گے اور ان سے بیعت کی درخواست کریں گے وہ انکار کر دیں گے، پھر غیب سے ندا آئے گی:

"یہ اللہ کے خلیفہ مہدی ہیں ان کا حکم سنو اور اطاعت کرو"۔

سب لوگ آپ کے دست مبارک پر بیعت کریں گے، آپ مسلمانوں کو لے کر شام تشریف لے جائیں گے۔

نزولِ حضرت عیسیٰ:

جب دجال ساری دنیا گھوم کر ملک شام پہنچے گا اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام جامع مسجد دمشق کے شرقی مینارہ پر نزول فرمائیں گے، اس وقت نماز فجر کیلئے اقامت ہوچکی ہوگی، آپ امام مہدی رضی اللہ عنہ کو امامت کا حکم دیں گے اور وہ نماز پڑھائیں گے۔ دجال ملعون حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سانس کی خوشبو سے پگھلنا شروع ہوگا جیسے پانی میں

نمک گھلتا ہے، جہاں تک آپ کی نظر جائے گی وہاں تک آپ کی خوشبو پہنچے گی، دجال بھاگے گا آپ اس کا تعاقب فرمائیں گے اور اسے بیت المقدس کے قریب مقام ''لُدّ'' میں قتل کردیں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی برکات:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ بڑی خیر و برکت والا ہوگا، زمین اپنے خزانے ظاہر کر دے گی، مال کی کثرت کے باعث لوگوں کو مال سے رغبت نہ رہے گی۔ آپ صلیب توڑیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے یہودیت، نصرانیت اور تمام باطل مذاہب مٹا دیں گے، ساری دنیا میں دین صرف اسلام ہوگا اور مذہب صرف اہلسنت۔ آپ کے عہد میں شیر اور بکری ایک ساتھ کھائیں گے، بچے سانپوں سے کھیلیں گے اور بغض و حسد اور عداوت کا نام و نشان نہ رہے گا، آپ چالیس سال قیام فرمائیں گے، نکاح کریں گے، اولاد بھی ہوگی اور بعد وصال آپ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں مدفون ہوں گے۔

یاجوج ماجوج کا ظاہر ہونا:

دجال کے قتل کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رب تعالیٰ کا حکم ہوگا کہ مسلمانوں کو کوہِ طور پر لے جاؤ۔ مسلمانوں کے کوہ طور پر جانے کے بعد ''یاجوج ماجوج'' ظاہر ہوں گے، یہ فسادی لوگ ہیں جو حضرت سکندر ذوالقرنین کے بنائی ہوئی آہنی دیوار کے پیچھے محصور ہیں اس وقت یہ دیوار توڑ کر نکلیں گے اور زمین میں قتل و غارت اور فساد پھیلائیں گے پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے اللہ تعالیٰ ان کی گردنوں میں خاص قسم کے کیڑے پیدا فرمائے گا جس سے یہ سب ہلاک ہو جائیں گے۔

دابۃ الارض کا ظہور:

قیامت سے قبل ایک عجیب شکل کا جانور ظاہر ہوگا جس کا نام ''دابۃ الارض''

ہے، یہ کوہ صفا سے ظاہر ہو کر تمام دنیا میں پھرے گا، فصاحت کے ساتھ کلام کرے گا، اس کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصاء اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی ہوگی، یہ عصاء سے ہر مسلمان کی پیشانی پر ایک نورانی نشان بنائے گا اور انگوٹھی سے ہر کافر کے ماتھے پر سیاہ دھبہ لگائے گا، اس وقت تمام مسلم و کافر علانیہ ظاہر ہو جائیں گے پھر جو کافر ہوگا وہ ہرگز ایمان نہ لائے گا مسلمان ہمیشہ ایمان پر قائم رہے گا۔

سورج کا مغرب سے طلوع ہونا:

جب ''دابۃ الارض'' نکلے گا تو حسب معمول آفتاب بارگاہ الٰہی میں سجدہ کر کے طلوع کی اجازت چاہے گا اجازت نہ ملے گی بلکہ حکم ہوگا واپس جا۔ تو آفتاب مغرب سے طلوع ہوگا اور نصف آسمان تک آ کر واپس لوٹ جائے گا اور پھر مغرب کی جانب غروب ہوگا۔ اس نشانی کے ظاہر ہوتے ہی توبہ کا دروزہ بند ہو جائے گا۔

(از مسلم، بخاری، مشکوٰۃ)

اللہ واحد قہار کی بادشاہت ہے:

جب قیامت آنے میں چالیس برس رہ جائیں گے تو ایک خوشبودار ٹھنڈی ہوا چلے گی جو لوگوں کی بغلوں کے نیچے سے گزرے گی جس کے اثر سے مسلمان کی روح قبض ہو جائے گی صرف کافر ہی باقی رہ جائیں گے اور انہی کافروں پر قیامت قائم ہو گی جب یہ سب علامات پوری ہو جائیں گی اور زمین پر کوئی اللہ کہنے والا نہ رہے گا تو حکم الٰہی سے اسرافیل علیہ السلام صور پھونکیں گے، شروع میں اس کی آواز بہت باریک، ہو گی پھر رفتہ رفتہ بہت بلند ہو جائے گی، لوگ اسے سنیں گے اور بیہوش ہو کر گر پڑیں گے اور مر جائیں گے، زمین و آسمان، فرشتے اور ساری کائنات فناہ ہو جائے گی، اس وقت اللہ عزوجل کے سوا کوئی نہ ہوگا، وہ فرمائے گا، آج کس کی بادشاہت ہے؟ کہاں ہیں جبار

اور متکبر لوگ؟ کوئی جواب دینے والا نہ ہوگا پھر خود ہی فرمائے گا۔

لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔

''اللہ واحد قہار کی بادشاہت ہے''۔

ارواح کا دوبارہ زندہ ہونا:

پھر جب اللہ تعالیٰ چاہے گا حضرت اسرافیل علیہ السلام کو زندہ فرمائے گا اور صور کو پیدا کر کے دوبارہ پھونکنے کا حکم دے گا، صور پھونکتے ہی پھر سب کچھ موجود ہو جائے گا، سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روضۂ اطہر سے یوں باہر تشریف لائیں گے کہ دائیں ہاتھ میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور بائیں ہاتھ میں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا ہاتھ تھامے ہوں گے پھر مکہ مکرمہ و مدینہ طیبہ میں مدفون مسلمانوں کے ہمراہ میدان حشر میں تشریف لے جائیں گے۔

دنیا میں جو روح جس جسم کے ساتھ تھی اس روح کا حشر بھی اس جسم میں ہوگا، جسم کے اجزاء اگرچہ خاک یا راکھ ہو گئے ہوں یا مختلف جانوروں کی غذا بن چکے ہوں گے پھر بھی اللہ تعالیٰ ان سب اجزاء کو جمع فرما کر قیامت میں زندہ کرے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''بولا ایسا کون ہے کہ ہڈیوں کو زندہ کرے جب وہ بالکل گل گئیں؟ تم فرماؤ انہیں وہ زندہ کرے گا جس نے پہلی بار انہیں بنایا اور اسے ہر پیدائش کا علم ہے''۔ (یٰس: ۷۸، ۹۸)

میدانِ حشر ملک شام کی زمین پر قائم ہوگا:

میدانِ حشر ملک شام کی زمین پر قائم ہوگا اور زمین بالکل ہموار ہوگی۔ اس دن زمین تانبے کی ہوگی اور آفتاب ایک میل کے فاصلے پر ہوگا، گرمی کی شدت سے دماغ

کھولتے ہوں گے، پسینہ کثرت سے آئے گا، کسی کے ٹخنوں تک، کسی کے گھٹنوں تک، کسی کے گلے تک اور کسی کے منہ تک لگام کی مثل ہوگا یعنی ہر شخص کے اعمال کے مطابق ہوگا۔ یہ پسینہ نہایت بدبودار ہوگا، گرمی کی شدت سے زبانیں سوکھ کر کانٹا ہو جائیں گی، بعض کی زبانیں منہ سے باہر نکل آئیں گی اور بعض کے دل گلے تک آجائیں گے، خوف کی شدت سے دل پھٹے جاتے ہوں گے، ہر کوئی بقدر گناہ تکلیف میں ہوگا، جس نے زکوٰۃ نہ دی ہوگی اس کے مال کو خوب گرم کر کے اس کی کروٹ، پیشانی اور پیٹھ پر داغ لگائے جائیں گے، وہ طویل دن خدا کے فضل سے اس کے خاص بندوں کیلئے فرض نماز سے زیادہ ہلکا اور آسان ہوگا۔

قیامت کے دن کے متعلق قرآن حکیم میں ارشاد ہوا:

"جس دن آسمان ایسے ہوگا جیسے گلی ہوئی چاندی، اور پہاڑ ایسے ہلکے ہو جائیں گے جیسے اون، اور کوئی دوست کسی دوست کو دیکھنے کے باوجود اس کا حال نہ پوچھے گا، مجرم آرزو کرے گا کہ کاش: اس دن کے عذاب سے خلاصی کے بدلے میں دیدے اپنے بیٹے، اور اپنی بیوی، اور اپنا بھائی، اور اپنا کنبہ جس میں اس کی جگہ ہے، اور جتنے زمین میں ہیں سب، پھر یہ بدلہ دینا اسے بچالے؟ ہرگز نہیں"۔ (المعارج ۸تا۱۵)

قیامت کا دن پچاس ہزار برس کے برابر ہوگا:

قیامت کا دن پچاس ہزار برس کے برابر ہوگا اور آدھا دن تو انہی مصائب و تکالیف میں گزرے گا پھر اہل ایمان مشورہ کر کے کوئی سفارشی تلاش کریں گے جو ان مصائب سے نجات دلائے۔ پہلے لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس حاضر ہوکر شفاعت کی درخواست کریں گے آپ فرمائیں گے: میں اس کام کے لائق نہیں تم ابراہیم علیہ السلام

کے پاس جاؤ وہ اللہ کے خلیل ہیں۔ پس لوگ ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو جائیں گے، آپ فرمائیں گے: میں اس کام کے لائق نہیں تم موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ لوگ وہاں جائیں گے تو وہ بھی یہی جواب دیں گے اور عیسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیج دیں گے۔ وہ فرمائیں گے: تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جاؤ وہ ایسے بندے ہیں کہ ان کیلئے اللہ تعالیٰ ان کے اگلوں اور پچھلوں کے گناہ معاف فرما دے پھر سب لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے اور شفاعت کی درخواست کریں گے آقا علیہ السلام فرمائیں گے: میں اس کام کیلئے ہوں۔ پھر آپ بارگاہ الٰہی میں سجدہ کریں گے ارشاد باری تعالیٰ ہوگا:

> ''اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! سجدہ سے سر اٹھاؤ اور کہو! تمہاری بات سنی جائے گی، اور مانگو! عطا کیا جائے گا اور شفاعت کرو! تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی''۔ (از بخاری، مسلم، مشکوٰۃ)

آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مقام محمود پر فائز کیے جائیں گے:

آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مقام محمود پر فائز کیے جائیں گے، قرآن کریم میں ہے:

> ''قریب ہے کہ تمہیں تمہارا رب ایسی جگہ کھڑا کرے جہاں سب تمہاری حمد کریں''۔ (بنی اسرائیل، ۷۹)

مقام محمود مقام شفاعت ہے آپ کو ایک جھنڈا عطا ہوگا جسے لواء الحمد کہتے ہیں، تمام اہل ایمان اسی جھنڈے کے نیچے جمع ہوں گے اور حضور علیہ السلام کی حمد و ستائش کریں گے۔

شافع محشر کی شفاعت:

شافع محشر صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک شفاعت تو تمام اہل محشر کیلئے ہے جو میدان حشر میں زیادہ

دیر ٹھہرنے سے نجات اور حساب وکتاب شروع کرنے کیلئے ہوگی۔ آپ ﷺ کی ایک شفاعت ایسی ہوگی جس سے بہت لوگ بلا حساب جنت میں داخل ہونگے جب کہ آپ ﷺ کی ایک شفاعت سے جہنم کے مستحق بہت سے لوگ جہنم میں جانے سے بچ جائیں گے۔ آقا علیہ السلام کی شفاعت سے بہت سے گناہ گار جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کردیے جائیں گے۔ حضور ﷺ کے بعد دیگر انبیاء کرام اپنی اپنی امتوں کی شفاعت فرمائیں گے پھر اولیائے کرام، شہداء، علماء، حفاظ، حجاج بلکہ وہ شخص جو کوئی دینی منصب رکھتا ہو اپنے اپنے متعلقین کی شفاعت کرے گا، فوت شدہ نابالغ بچے اپنے ماں باپ کی شفاعت کریں گے اگر کسی نے علماء حق میں سے کسی کو دنیا میں وضو کے لیے پانی دیا ہوگا تو وہ بھی یاد دلا کر شفاعت کی درخواست کرے گا اور وہ اسکی شفاعت کریں گے۔

حساب حق ہے اس کا منکر کافر ہے:

"بیشک ضرور اس دن تم سے نعمتوں کی پرسش ہوگی"۔ (التکاثر:۸، کنزالایمان)

حضور علیہ السلام کے طفیل بعض اہل ایمان بلا حساب جنت میں داخل ہوں گے، کسی سے خفیہ حساب کیا جائے گا، کسی سے اعلانیہ، کسی سے سختی سے اور بعض کے منہ پر مہر کر دی جائے گی اور انکے ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضاء ان کے خلاف گواہی دیں گے۔

"قیامت کے دن نیکوں کو دائیں ہاتھ میں اور بروں کو بائیں ہاتھ میں ان کا اعمال نامہ دیا جائے گا، کافر کا بایاں ہاتھ اس کی پیٹھ کے پیچھے کر کے اس میں نامہ اعمال دیا جائے گا"۔

(الانشقاق،۳)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اور بیشک تم پر کچھ نگہبان ہیں، معزز لکھنے والے، جانتے ہیں جو کچھ تم

کرو"۔ (الانفطار، ۱۴-۳)

انسان کے دائیں کندھے کی طرف نیکیاں لکھنے والے فرشتے ہوتے ہیں اور بائیں طرف برائیاں لکھنے والے۔ انسان کے نامہ اعمال میں سب کچھ لکھا جاتا ہے، قرآن کریم میں ہے:

"(قیامت کے دن مجرم) کہیں گے، ہائے خرابی! ہمارے اعمال نامہ کو کیا ہوا، نہ اس نے کوئی چھوٹا گناہ چھوڑا نہ بڑا جسے گھیر نہ لیا ہو اور اپنا سب کیا انہوں نے سامنے پایا، اور تمہارا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا"۔

(الکہف، ۴۹، کنزالایمان)

میزان حق ہے یہ ایک ترازو ہے جس پر لوگوں کے نیک و بد اعمال تولے جائیں گے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اور اس دن تول ضرور ہونی ہے تو جن کے پلے بھاری ہوئے وہی مراد کو پہنچے، اور جن کے پلے ہلکے ہوئے تو وہی ہیں جنہوں نے اپنی جان گھاٹے میں ڈالی"۔ (الاعراف ۸، ۹)

نیکی کا پلہ بھاری ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ پلہ اوپر کو اٹھے گا جبکہ دنیا میں بھاری پلہ نیچے کو جھکتا ہے۔

حوضِ کوثر:

حوض کوثر حق ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا گیا، ایک حوض میدان حشر میں اور دوسرا جنت میں ہے اور دونوں کا نام کوثر ہے کیونکہ دونوں کا منبع ایک ہی ہے۔ حوض کوثر کی مسافت ایک ماہ کی راہ ہے، اس کے چاروں کناروں پر موتیوں کے خیمے ہیں، اس کی مٹی نہایت خوشبودار مشک کی ہے، اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید، شہد سے زیادہ میٹھا

اور مشک سے زیادہ پاکیزہ ہے، جو اس کا پانی پئے گا وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ (مسلم، بخاری)

پل صراط:

صراط حق ہے یہ ایک پل ہے جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہوگا اور جہنم پر نصب کیا جائے گا۔ جنت میں جانے کا یہی راستہ ہوگا، سب سے پہلے حضور ﷺ اسے عبور فرمائیں گے پھر دیگر انبیاء و مرسلین علیہم السلام پھر یہ امت اور پھر دوسری امتیں پل سے گزریں گی۔ پل صراط پر سے لوگ اپنے اعمال کے مطابق مختلف احوال میں گزریں گے بعض ایسی تیزی سے گزریں گے جیسے بجلی چمکتی ہے، بعض تیز ہوا کی مانند، بعض پرندہ اڑنے کی طرح، بعض گھوڑا دوڑنے کی مثل اور بعض ایسے گذریں گے جیسے آدمی دوڑتا ہے جبکہ بعض پیٹھ کے بل گھسٹتے ہوئے اور بعض چیونٹی کی چال چلتے ہوئے گزریں گے۔ پل صراط کے دونوں جانب بڑے بڑے آنکڑے لٹکتے ہوں گے جو حکم الٰہی سے بعض کو زخمی کردیں گے اور بعض کو جہنم میں گرادیں گے۔ (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ)

سب اہل محشر تو پل صراط پر سے گزرنے کی فکر میں ہوں گے اور ہمارے معصوم آقا شفیع محشر ﷺ پل کے کنارے کھڑے ہو کر اپنی عاصی امت کی نجات کیلئے رب تعالیٰ سے دعا فرما رہے ہوں گے، ربّ سلّم، ربّ سلّم، الٰہی ان گناہ گاروں کو بچا لے بچا لے، آپ صرف اسی جگہ گرتوں کا سہارا نہ بنیں گے بلکہ کبھی میزان پر گناہ گاروں کا پلہ بھاری بناتے ہوں گے اور کبھی کوثر پر پیاسوں کو سیراب فرمائیں گے، ہر شخص انہی کو پکارے گا اور انہی سے فریاد کرے گا کیونکہ باقی سب تو اپنی اپنی فکر میں ہوں گے اور آقا علیہ السلام کو دوسروں کی فکر ہوگی۔

اَللّٰھُمَّ نَجِّنَا مِنْ اَحْوَالِ الْحَشْرِ بِجَاہِ ھٰذَا النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَفْضَلُ الصَّلٰوۃِ وَ التَّسْلِیْمِ اٰمِیْن۔

اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کیلئے جنت بنائے ہے:

اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کیلئے جنت بنائے ہےاوراس میں وہ نعمتیں رکھی ہیں جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی دل میں ان کا خیال آیا۔ (بخاری، مسلم) جنت کے آٹھ طبقے ہیں: جنت الفردوس، جنت عدن، جنت ماویٰ، دار الخلد، دار السلام، دار المقامہ، علیین، جنت نعیم۔ (تفسیر عزیزی) جنت میں ہر مومن اپنے اعمال کے لحاظ سے مرتبہ پائے گا۔

جنت کے درجات:

''جنت میں سو درجے ہیں اور ہر درجے میں اتنی وسعت ہے جتنا زمین اور آسمان کے درمیان فرصلہ ہے، جنت کا سب سے اعلیٰ درجہ فردوس ہے اس میں جنت کی چار نہریں جاری ہیں، تمام جنتوں سے اوپر عرش ہے''۔ (ترمذی)

''جنت میں چار طرح کی نہریں ہیں پانی کی، دودھ کی، شہد کی اور پاکیزہ شراب کی''۔ (محمد:۱۵)

''اہل جنت کو پاکیزہ شراب سے لبریز جام دیئے جائیں گے جس کا رنگ سفید ہوگا اور جس کے پینے سے لذت حاصل ہوگی، نہ اس میں نشہ ہوگا اور نہ اسے پینے سے سر چکرائے گا''۔ (الصفت، ۴۵۔۴۷)

پہلا گروہ جو جنت میں جائے گا ان کے چہرے چودہویں کے چاند کی طرح روشن ہوں گے اور دوسرے گروہ کے چہرے نہایت چمکدار ستارے کی طرح ہوں گے، ان میں کوئی اختلاف و بغض نہ ہوگا۔ جنت میں کوڑا یا چھڑی رکھنے کی جگہ دنیا اور اس کی تمام نعمتوں سے بہتر ہے۔ جنت میں ایک درخت ہے (جس کا نام طوبیٰ ہے) اس کے سائے میں کوئی تیز رفتار گھوڑے پر سو برس تک سفر کرتا رہے پھر بھی وہ اس کے

سائے کو عبور نہ کر سکے گا۔ (بخاری، مسلم)

جنت کی دیواریں:

جنت کی دیواریں سونے اور چاندی کی اینٹوں اور مشک کے گارے سے بنی ہیں، اس کی زمین مٹی کی بجائے زعفران ہے اور اس کی نہروں میں کنکریوں کی جگہ موتی اور یاقوت ہیں، جنت میں رہنے کیلئے موتیوں کے خیمے ہوں گے، اہل جنت خوبصورت بے ریش مرد ہوں گے ان کی آنکھیں سرمگیں ہوں گی وہ ہمیشہ تیس برس کے دکھائی دیں گے انکی جوانی کبھی ختم نہ ہوگی اور نہ ہی ان کے لباس پرانے ہوں گے۔ وہ ایک دوسرے کو ایسے دیکھیں گے جیسے تم افق پر چمکنے والے ستارے کو دیکھتے ہو۔ جنتی ہمیشہ زندہ رہیں گے انہیں نہ نیند آئے گی نہ موت۔ (مشکوٰۃ)

حورانِ جنت:

جنت میں خوبصورت آنکھوں اور سفید رنگ والی حوریں ہوں گی جو نہایت اچھی آواز میں حمد و ثنا کا نغمہ (بغیر ساز کے) گائیں گی ایسی حسین آواز کبھی کسی نے نہ سنی ہو گی وہ کہیں گی، ہم ہمیشہ رہنے والی ہیں ہم کبھی نہیں مریں گی ہمیں نعمتیں دی گئی ہیں ہم کبھی محتاج نہ ہوں گی ہم راضی رہنے والی ہیں کبھی ناراض نہ ہوں گی، مبارکباد اس کیلئے جو ہمارا ہے اور ہم اس کی ہیں۔ (ترمذی) ایک ادنیٰ جنتی کو بھی ۸۰ ہزار خادم اور ۷۲ حوریں ملیں گی حوریں ایسی ہوں گی کہ ان کے لباس اور گوشت کے باہر سے ان کی پنڈلیوں کا مغز دکھائی دے گا۔ (مشکوٰۃ)

ارشاد باری تعالیٰ ہوا:

"(ان باغوں میں) عورتیں ہیں عادت کی نیک اور صورت کی اچھی، تو اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے، حوریں ہیں خیموں میں پردہ نشین، تو اپنے

رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے، اس پہلے انہیں نہ کسی نے ہاتھ لگایا کسی آدمی اور نہ جن نے، تو اپنے رب کی کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے"۔

(رحمٰن ۷۰-۷۵ کنزالایمان)

جنت کی حور اگر زمین کی طرف جھانکے تو زمین سے آسمان تک روشنی ہو جائے اور سب جگہ خوشبو سے بھر جائے۔ (بخاری) نیز چاند وسورج کی روشنی ماند پڑ جائے، اور اگر وہ سمندر میں تھوک دے تو اس کے تھوک کی شیرینی کی وجہ سے سمندر کا پانی میٹھا ہو جائے۔ خیال رہے کہ جو مثالیں جنت کی تعریف میں بیان ہوئی ہیں محض سمجھانے کیلئے ہیں ورنہ دنیا کی اعلیٰ ترین نعمتوں کو جنت کی کسی چیز کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں ہے۔

اللہ عزوجل نے اہل جنت کے متعلق ارشاد فرمایا:

"اور ان کے خدمت گار لڑکے ان کے گرد پھریں گے گویا موتی ہیں چھپا کر رکھے گئے۔ اور ہم نے ان کی مدد فرمائی میوے اور گوشت سے جو چاہیں"۔ (الطور: ۲۴،۲۲)

جنتی جو چاہیں گے فوراً ان کے سامنے موجود ہو گا اگر کسی پرندے کا بھنا ہوا گوشت کھانے کی خواہش ہو گی تو اسی وقت بھنا ہوا گوشت ان کے سامنے آجائے گا، اگر کسی مشروب کی خواہش ہو گی تو گلاس وغیرہ خود ہاتھ میں آجائیں گے اور ان میں عین ان کی خواہش کے مطابق مشروب ہو گا۔ جنتیوں کو سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور وہاں ان کی پوشاک ریشم ہو گی۔ (فاطر، ۳۳)

اہل جنت کی نیک بیویوں کو کنواری، ہم عمر اور حسین و جمیل بنا کر جنت میں ان کا ساتھ عطا ہو گا۔ (الواقعہ، ۳۶)

جنتیوں کے مومن والدین اور اولاد کو بھی جنت میں ان سے ملا دیا جائے گا بلکہ ان کے طفیل اعلیٰ مقام دیا جائے گا۔ ارشاد ہوا:

"اور جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی، ہم نے ان کی اولاد ان سے ملادی"۔ (الطور:۲۱)

جنت میں غم، بیماری نیز پیشاب، پاخانہ، تھوک، ناک بہنا، کان کا میل، بدن کا میل وغیرہ بالکل نہ ہوں گے، جنتیوں کا کھانا ایک فرحت بخش خوشبودار ڈکار اور کستوری کی طرح خوشبودار پسینے سے ہضم ہو جائے گا۔ (مسلم، بخاری)

رضائے الٰہی کا عطا کیا جانا:

جنت میں ایک اعلیٰ ترین نعمت یہ ہے کہ رب تعالیٰ اہل جنت سے فرمائے گا، میں تمہیں اپنی رضا عطا کرتا ہوں اور اب ہمیشہ تمہیں میری رضا حاصل رہے گی۔ جنت میں سب سے عظیم نعمت دیدار باری تعالیٰ ہے۔ فرمان نبوی ﷺ ہے کہ بیشک تم اپنے رب کو ان آنکھوں سے دیکھو گے جیسے آفتاب اور چودھویں کے چاند کو ہر ایک اپنی جگہ سے دیکھتا ہے۔ (بخاری، مسلم)

ارشاد باری تعالیٰ ہوا:

"کچھ مونہہ اس دن تر و تازہ ہوں گے اپنے رب کو دیکھتے (ہوں گے)"۔ (القیامۃ:۲۲،۲۳)

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا زِيَارَةَ وَجْهِكَ الْكَرِيْمِ بِجَاهِ حَبِيْبِكَ الرَّءُوْفِ الرَّحِيْمِ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَفْضَلُ الصَّلٰوةِ وَالتَّسْلِيْمِ۔ اٰمِيْنَ۔

جہنم اللہ عزوجل کے قہر و جلال کا مظہر ہے:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں، تیار رکھی ہے کافروں کیلئے"۔ (البقرۃ:۲۴)

قرآن کریم میں اس کے مختلف طبقات کا ذکر کیا گیا ہے:

1- جہنم ۔(البقرۃ،۲۰۶)
2- جحیم ۔(المائدہ،۱۰)
3- سعیر۔(فاطرہ،۶)
4- لظیٰ ۔(المعارج،۱۵)
5- سقر۔(المدثر،۲۶)
6- ھاویہ۔(القارعہ،۹)
7- حطمہ ۔۔(الھمزہ،۵)

جہنم میں مختلف وادیاں اور کنویں بھی ہیں وادیاں تو ایسی ہیں کہ ان سے جہنم بھی ہر روز ستر مرتبہ یا اس سے زیادہ بار پناہ مانگتا ہے۔ دنیا کی آگ جہنم کی آگ کے ستر اجزاء میں سے ایک جزو ہے۔(بخاری)

دنیا کی آگ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتی ہے کہ وہ اسے پھر جہنم میں نہ لے جائے، تعجب ہے کہ انسان جہنم میں جانے کے کام کرتا ہے اور اس آگ سے نہیں ڈرتا جس سے آگ بھی پناہ مانگتی ہے۔ جہنم کی چنگاریاں اونچے اونچے محلوں کے برابر اڑتی ہیں جیسے بہت سارے زرد اونٹ ایک قطار کی صورت میں آ رہے ہوں۔(المرسلٰت،۳۳)

جہنم کی گہرائی اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے حدیث پاک میں ہے کہ اگر پتھر کی چٹان جہنم کے کنارے سے اس میں گرائی جائے تو ستر برس میں بھی تہہ تک نہ پہنچے گی۔(مسلم)

ایک حدیث میں ہے کہ جہنم میں سب سے ہلکے عذاب والا وہ ہوگا جس کیلئے آگ کا جوتا اور دو تسمے ہوں گے جس سے اس کا دماغ ابلتا ہوگا جیسے ہانڈی میں پانی ابلتا ہے، وہ یہ نہ سمجھے گا کہ کوئی اس سے بھی سخت عذاب والا ہے حالانکہ وہ ان سب میں ہلکے عذاب والا ہوگا۔(بخاری، مسلم)

حضرت جبریل علیہ السلام نے قسم کھا کر حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں عرض کی کہ اگر جہنم سے سوئی کے ناکے کے برابر سوراخ کھول دیا جائے تو تمام اہلِ زمین اس کی تپش سے ہلاک ہو جائیں، اگر جہنم کا کوئی داروغہ اہلِ دنیا پر ظاہر ہو تو اس کی ہیبت سے تمام دنیا

والے مر جائیں اور اگر جہنمیوں کی زنجیر کی ایک کڑی زمین کے پہاڑوں پر رکھ دی جائے تو وہ کانپنے لگیں اور انہیں قرار نہ ہو یہاں تک کہ زمین کی نچلی تہہ تک نہ دھنس جائیں۔

جہنمیوں کو طرح طرح کے عذاب دیے جائیں گے:

جہنمیوں کو طرح طرح کے عذاب دیے جائیں گے، رب تعالیٰ کا فرمان عالیشان ہے:

"جنہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا عنقریب ہم ان کو آگ میں داخل کریں گے، جب کبھی انکی کھالیں پک جائیں گی (یعنی جل کر کوئلہ ہو جائیں گی) ہم ان کے سوا اور کھالیں انہیں بدل دیں گے کہ عذاب کا مزہ لیں، بیشک اللہ غالب حکمت والا ہے"۔ (النساء، کنزالایمان)

دوسری جگہ فرمایا:

"اور اس دن مجرموں کو دیکھو گے کہ بیڑیوں میں ایک دوسرے سے جڑے ہوں گے، ان کے کرتے آگ کے ہوں گے اور ان کے چہرے آگ ڈھانپ لے گی"۔ (ابراہیم، ۴۹، ۵۰، کنزالایمان)

ارشاد باری تعالیٰ ہوا:

"تو جو کافر ہوئے ان کیلئے آگ کے کپڑے بنائے گئے ہیں اور ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا جس سے گل جائے گا جو کچھ ان کے پیٹوں میں ہے اور ان کی کھالیں، اور ان کے لئے لوہے کے گرز ہیں"۔

(الحج، ۱۹۔۲۱)

ایک جگہ یوں فرمایا گیا:

"کتنے ہی اس دن ذلیل ہوں گے کام کریں مشقت جھیلیں، جائیں بھڑکتی آگ میں، نہایت جلتے چشمے کا پانی پلائے جائیں ان کیلئے کھانا

کچھ نہیں مگر آگ کے کانٹے، کہ نہ فربہی لائیں اور نہ بھوک میں کام دیں"۔

(الغاشیۃ ۲۔۷، کنزالایمان)

جہنمیوں کو بھوک کا عذاب دیا جائے گا:

جہنمیوں کو بھوک کا عذاب دیا جائے گا۔ جب وہ فریاد کریں گے تو انہیں آگ کے کانٹے کھانے کو دیے جائیں گے جو نہ موٹا کریں اور نہ بھوک مٹائیں، پھر وہ کھانا مانگیں گے تو انہیں گلے میں پھنسنے والا کھانا دیا جائے گا جسے نگلنے کیلئے وہ پانی مانگیں تو کھولتا پانی دیا جائے گا جو قریب لاتے ہی ان کے مونہوں کو بھون دے گا اور جب پیٹ میں جائے گا تو پیٹ کی ہر چیز کاٹ ڈالے گا۔ (ترمذی)

قرآن پاک میں زقوم یا تھوہر کا درخت بھی اہل جہنم کی خوراک بتایا گیا ہے۔

(الدخان، ۴۳)

آقا علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ

"اگر زقوم کا ایک قطرہ زمین پر ٹپکا دیا جائے تو دنیا والوں کی روزیاں (کھانا پینا) خراب کر دے تو اس قوم کا کیا حال ہوگا جس کا کھانا ہی زقوم ہو۔ (ترمذی) دوزخ کا سانپ یا بچھو ڈنگ مارے گا وہ اس کی تکلیف چالیس سال تک محسوس کرتا رہے گا"۔ (مشکوٰۃ)

رب تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"تو وہ جو بدبخت ہیں وہ دوزخ میں ہیں وہ اس گدھے کی طرح رینگیں گے"۔ (ہود، ۳۶، کنزالایمان)

جہنمی جب نجات سے بالکل مایوس ہو جائیں گے تو گدھے کی آواز کی طرح چلا کر روئیں گے جب آنسو ختم ہو جائیں گے تو خون روئیں گے، رونے کا خون اور پیپ اس قدر ہو گی کہ اگر اس میں کشتیاں ڈال دی جائیں تو چلنے لگیں۔ جہنمیوں کی شکلیں

ایسی کریہہ ہوں گی کہ اگر دنیا میں کوئی جہنمی اس صورت پر لایا جائے تو تمام لوگ اس کی بدصورتی اور بدبو کی وجہ سے مر جائیں۔ مختلف عذاب دینے کے بعد کفار کو آگ کے صندوق میں بند کر دیا جائے گا پھر اس میں آگ بھڑ کا کر آگ کا قفل لگایا جائے گا پھر یہ صندوق دوسرے آگ کے صندوق میں رکھا جائے گا اور اس میں بھی آگ کا قفل لگا دیا جائے گا، اسی طرح اسے ایک اور صندوق میں رکھا جائے گا اور اس میں بھی آگ کا قفل لگا دیا جائے گا، اسی طرح اسے ایک اور صندوق میں رکھ کر آگ میں ڈال دیا جائے گا اور پھر ہر کافر یہ سمجھے گا کہ اس کے سوا کوئی آگ میں نہیں ہے اور یہ عذاب بالائے عذاب ہوگا۔

جب سب جنتی جنت میں داخل ہو جائیں گے اور جہنم میں صرف وہی رہ جائیں گے جنہیں ہمیشہ اس میں رہنا ہے اس وقت جنت اور دوزخ کے درمیان موت کو دنبے کی صورت میں لایا جائے گا اور اہل جنت واہل جہنم کو پکار کر پوچھا جائے گا، کیا اسے پہچانتے ہو؟ سب کہیں گے، ہاں یہ موت ہے۔ پھر اسے ذبح کر دیا جائے گا اور اعلان ہوگا، اے اہل جنت! تم یہاں ہمیشہ رہو گے، اب موت نہ آئے گی اور اے اہل دوزخ! تم بھی یہاں ہمیشہ رہو گے اب کسی کو موت نہ آئے گی۔ اس سے اہل جنت کی خوشی اور اہل جہنم کے غم میں شدید اضافہ ہو جائے گا۔

باب چہارم:

ایصالِ ثواب

ایصالِ ثواب کیوں ضروری ہے؟:

سوال: کیا مُردوں کو ایصالِ ثواب سے نفع پہنچتا ہے؟ کسی کے انتقال پر تیجہ، دسواں اور چہلم کیا جاتا ہے نیز اکثر جمعرات کو فاتحہ دلائی جاتی ہے اس کی کیا اصل ہے؟ یہ بھی فرمایئے کہ کیا دوسروں کو ثواب بخش دینے سے ہمیں کوئی ثواب نہیں ملتا؟

جواب: ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"عرض کرتے ہیں، اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے وار ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے"۔ (الحشر:۱۰)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمان اپنی مغفرت کے ساتھ اپنے مرحوم دینی بھائیوں کی مغفرت کی بھی دعا مانگتے ہیں۔ ایصالِ ثواب دعائے مغفرت ہی کی ایک صورت ہے جو متعدد احادیث سے ثابت ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک شخص نے بارگاہِ نبوی میں سوال کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری والدہ کا اچانک انتقال ہوگیا، اگر میں ان کیلئے صدقہ خیرات کروں تو کیا انہیں ثواب پہنچے گا؟ ارشاد فرمایا: ہاں انہیں ثواب ضرور پہنچے گا۔

(بخاری، مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم اپنے مُردوں کیلئے دعائیں، صدقات و خیرات اور حج کرتے ہیں کیا یہ چیزیں انہیں پہنچتی ہیں؟ فرمایا: ہاں ضرور پہنچتی ہیں اور وہ ان سے ایسے خوش ہوتے ہیں جیسے تم ایک

دوسرے کے ہدیے سے خوش ہوتے ہو۔ (مسند احمد)

اہلسنّت کے نزدیک مالی اور بدنی دونوں قسم کی عبادات کا ثواب کسی دوسرے کو پہنچایا جاسکتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں سے فرمایا: تم میں سے کون اس بات کی ذمہ داری لیتا ہے کہ وہ مسجد عشار میں میرے لیے دو چار رکعات نفل پڑھ دے اور کہے کہ یہ نماز ابوہریرہ کے (ایصالِ ثواب کے) لیے ہے۔ (ابوداؤد)

معلوم ہوا کہ بدنی عبادت یعنی نماز کا ثواب بھی کسی دوسرے کو بخشنا جائز ہے خواہ زندہ کو ہی ایصالِ ثواب کیا جائے۔ ان احادیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ایصالِ ثواب سے مُردوں کو نفع ہوتا ہے۔

رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ عالیشان ہے: جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ بھی ختم ہوجاتا ہے سوائے تین چیزوں کے جن کا ثواب اسے ملتا رہتا ہے۔ اول صدقۂ جاریہ، دوم وہ علم جس سے لوگوں کو نفع پہنچتا رہے، سوم وہ نیک اولاد جو اس کیلئے دعا کرتی رہے۔ (مسلم)

یہ حدیثِ پاک بھی زندوں کے اعمال سے میّت کو نفع پہنچنے کی بہترین دلیل ہے۔ آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے، دین خیر خواہی ہے، اللہ تعالیٰ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کی کتاب کی، ائمہ دین کی اور عام مسلمانوں کی۔ (مسلم)

مسلمانوں کی خیر خواہی اور بھلائی چاہنے کی ان کے وصال کے بعد یہی صورت ہے کہ ان کیلئے دعائے مغفرت کی جائے اور ایصالِ ثواب کے ذریعے انہیں فائدہ پہنچایا جائے۔

تیجہ، دسواں، چالیسواں اور برسی وغیرہ سب ایصالِ ثواب ہی کی مختلف صورتیں ہیں، ان میں میت کے ایصالِ ثواب کیلئے قرآن کریم کی تلاوت کلمہ طیبہ، درود شریف، استغفار اور ذکر و اذکار کے علاوہ صدقہ خیرات کیا جاتا ہے جو سب نیک کام ہیں اور

سنتِ مطہرہ سے ثابت ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''قبر میں میت ڈوبتے ہوئے فریادی کی طرح ہوتی ہے کہ اپنے ماں باپ بھائی یا دوست کی دعائے خیر پہنچنے کی منتظر رہتی ہے پھر جب اسے دعا پہنچ جاتی ہے تو اسے یہ دعا دنیا اور دنیا کی تمام نعمتوں سے زیادہ پیاری ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ زمین والوں کی دعا سے قبر والوں کو ثواب کے پہاڑ دیتا ہے، یقیناً مُردوں کیلئے زندوں کا تحفہ دعائے مغفرت ہے''۔ (مشکوٰۃ)

جب کوئی مسلمان وفات پاتا ہے تو اسے زندوں کی طرف سے شروع کے دنوں میں ایصالِ ثواب کی زیادہ حاجت ہوتی ہے اسی لیے اس کی وفات سے ہی ایصالِ ثواب کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میت کے انتقال کے بعد سات روز تک صدقہ کیا جائے۔ پھر فرماتے ہیں: بعض روایات میں آیا ہے کہ جمعہ کی رات کو میت کی روح اپنے گھر آتی ہے اور دیکھتی ہے کہ اس کی طرف سے اس کے گھر والے صدقہ کرتے ہیں یا نہیں۔ (اشعۃ اللمعات، باب زیارۃ القبور)

ہر جمعرات کو فاتحہ کرنے کی اصل یہی ہے۔

انوارِ ساطعہ میں ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے ایصالِ ثواب کیلئے تیسرے، ساتویں اور چالیسویں دن اور سال بعد بھی صدقہ دیا۔ علماء کرام نے اس سے سوئم، چہلم اور برسی کی اصل بیان کی ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے سوئم کے متعلق شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ملفوظات میں صفحہ 80 پر لکھتے ہیں:

''تیسرے دن لوگوں کا اس قدر ہجوم تھا کہ شمار نہیں ہو سکتا۔ اکیاسی (81) قرآن کریم تلاوت کیے گئے اور زیادہ بھی ہوئے ہوں گے، کلمہ طیبہ کا تو اندازہ ہی نہیں''۔

معلوم ہوا کہ تیجہ، دسواں اور چالیسواں وغیرہ مسلمانوں میں صدیوں سے رائج

ہیں۔ان دنوں کی تخصیص کو کوئی شرعی نہیں سمجھتا اور نہ ہی کوئی یہ کہتا ہے کہ بس اسی دن اور تاریخ کو ایصالِ ثواب کیا جائے تو پہنچے گا ورنہ نہیں۔ بلکہ قرآن مجید کی تلاوت اور خیرات وغیرہ کا سلسلہ تو میت کے انتقال کے وقت سے ہی شروع ہو جاتا ہے۔

چونکہ شرعاً تعزیت کا وقت تین دن تک ہے۔اس لیے تعزیت کے آخری دن لوگ زیادہ تعداد میں جمع ہو کر تلاوتِ قرآن اور کلمہ طیبہ پڑھ کر میت کو ایصالِ ثواب کرتے ہیں۔دن کا تعین کرنے میں ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ مقررہ تاریخ اور وقت پر لوگوں کو جمع ہونے میں آسانی ہوتی ہے اس طرح سب اجتماعی دعا میں شریک ہو جاتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی علیہ الرحمۃ القوی فرماتے ہیں:

"تیسرے دن کی خصوصیت بھی شرعی اور عرفی مصلحتوں کی بنا پر ہے...... شریعت میں تو ثواب پہنچانا ہے، دوسرے دن ہو خواہ تیسرے دن، جب چاہیں ایصالِ ثواب کریں...... البتہ یہ ضروری ہے کہ میت کا کھانا صرف فقراء میں تقسیم کیا جائے، غنی لوگ اس میں سے نہ لیں۔ باقی جو بیہودہ باتیں لوگوں نے نکالی ہیں مثلاً اس میں شادی کے سے تکلف کرنا، عمدہ عمدہ فرش بچھانا وغیرہ بے جا باتیں ہیں اور اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ ثواب تیسرے دن ہی پہنچتا ہے یا اس دن زیادہ پہنچے گا دوسرے دنوں میں کم، تو یہ عقیدہ بھی غلط ہے۔اسی طرح سوئم کیلئے چنوں کا ہونا ضروری نہیں اور نہ ہی چنے بانٹنے کے سبب کوئی برائی پیدا ہوتی ہے"۔ (فتاویٰ رضویہ، ملخصاً)

مالی و بدنی عبادات کا ثواب مُردوں کو پہنچا دینے سے ایصالِ ثواب کرنے والے کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ سب کو پورا پورا ثواب ملے گا، یہ نہیں کہ وہی ثواب تقسیم ہو کر سب کو ٹکڑا ٹکڑا ملے۔ (ردالمحتار)

بلکہ امید یہ ہے کہ اس ثواب پہنچانے والے کو ان سب کے مجموعہ کے برابر ثواب ملے۔ مثلاً کوئی نیک کام کیا جس کا ثواب دس گنا ہے۔ اس نے اس کا ثواب دس مُردوں کو بخش دیا تو ہر ایک کو دس دس ملیں گے اور اس کو ایک سو دس۔ اور اگر ہزار کو پہنچایا تو اسے دس ہزار دس۔ (فتاویٰ رضویہ)

باب پنجم:

بدعت کا فلسفہ

بدعت کی تعریف واقسام:

سوال: بدعت کسے کہتے ہیں؟ اس کی کتنی اقسام ہیں؟ قرآن وسنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

جواب: بدعت کے لغوی معنی ''نئی چیز ایجاد کرنے'' کے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں ہر وہ بات جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس کے بعد پیدا ہو، اُسے بدعت ہے۔

صدرُ الشریعہ علامہ مولانا امجد علی اعظمی قادری رحمۃ اللہ علیہ بدعت کی اقسام کے متعلق فرماتے ہیں:

> ''بدعتِ مذمومہ وقبیحہ (یعنی بری بدعت) وہ ہے جو کسی سنت کے مخالف و مزاحم ہو اور یہ مکروہ یا حرام ہے۔ مطلق بدعت تو مستحب بلکہ سنت بلکہ واجب تک ہوتی ہے۔ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ تراویح کی نسبت فرماتے ہیں: نعمتِ البدعۃُ ھٰذہٖ۔ (صحیح مسلم) ''یہ اچھی بدعت ہے'' حالانکہ تراویح سنتِ مؤکدہ ہے۔ جس کام کی اصل شرع شریف سے ثابت ہو وہ ہرگز بدعتِ قبیحہ نہیں ہوسکتا''۔ (بہارِ شریعت حصہ اول صفحہ 51)

ارشادِ باری تعالیٰ ہوا:

> ''اور راہب بننا، تو یہ بات انہوں نے دین میں اپنی طرف سے نکالی، ہم نے ان پر مقرر نہ کی تھی، ہاں یہ بدعت انہوں نے اللہ کی رضا چاہنے کو پیدا کی پھر اسے نہ نباہا جیسا کہ اس کے نباہنے کا حق تھا، تو ان کے ایمان

والوں کو ہم نے ان کا ثواب عطا کیا''۔(الحدید27)

اس کی تفسیر میں صدرُ الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

''اس آیت سے معلوم ہوا کہ بدعت یعنی دین میں کسی بات کا نکالنا اگر وہ بات نیک ہو اور اُس سے رضائے الٰہی مقصود ہو تو بہتر ہے، اس پر ثواب ملتا ہے اور اس کو جاری رکھنا چاہیے، ایسی بدعت کو بدعتِ حسنہ کہتے ہیں۔ البتہ دین میں بری بات نکالنا بدعتِ سیئہ کہلاتا ہے، وہ ممنوع اور ناجائز ہے۔ بدعتِ سیئہ حدیث شریف میں وہ بتائی گئی ہے جو خلافِ سنت ہو، اس کے نکالنے سے کوئی سنت اٹھ جائے۔ اس سے ہزارہا مسائل کا فیصلہ ہو جاتا ہے جن میں آج کل لوگ اختلاف کرتے ہیں اور اپنی ہوائے نفسانی سے ایسے امورِ خیر کو بدعت بتا کر منع کرتے ہیں جن سے دین کی تقویت و تائید ہوتی ہے اور مسلمانوں کو اخروی فوائد پہنچتے ہیں اور وہ طاعات و عبادات میں ذوق و شوق کے ساتھ مشغول رہتے ہیں ایسے امور کو (بری) بدعت بتانا قرآن مجید کی اس آیت کے صریح خلاف ہے''۔(خزائن العرفان)

اپنے دل کی خوشی سے کوئی کام کرنا ''تَطَوُّع'' کہلاتا ہے اسے فقہی اصطلاح میں مستحب کہتے ہیں۔

قرآن مجید میں اس بارے میں ارشاد ہوا:

''جو کوئی اپنی خوشی سے کرے کچھ نیکی، تو اللہ قدردان ہے سب کچھ جاننے والا''۔(البقرہ ۱۵۸)

دوسری جگہ فرمایا گیا:

"پھر جو خوشی سے کرے نیکی تو اچھا ہے اس کے واسطے"۔ (البقرہ ۱۸۴)

ان آیاتِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ مومن اپنی خوشی سے کوئی بھی اچھا کام اختیار کرسکتا ہے خواہ وہ کام نیا ہی کیوں نہ ہو، اس پر احادیثِ صحیحہ بھی گواہ ہیں۔

صحیح بخاری جلد دوم میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ان سے عرض کی۔ جنگِ یمامہ میں کثیر حفاظ صحابہ شہید ہو گئے، اگر یونہی جنگوں میں حافظ شہید ہوتے رہے تو قرآن کی حفاظت مسئلہ بن جائے گا اس لیے میری رائے یہ ہے کہ آپ قرآن کو (کتابی صورت میں) جمع کرنے کا حکم دیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں وہ کام کس طرح کروں جو رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟ آپ نے عرض کی: اگرچہ یہ کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا مگر خدا کی قسم! یہ کام بہتر ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عمر (رضی اللہ عنہ) زور دیتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کیلئے میرا سینہ کھول دیا اور میں ان کی رائے سے متفق ہو گیا۔ پھر آپ نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بلا کر اس کام کا حکم دیا تو انہوں نے بھی یہی عرض کی۔ آپ وہ کام کیوں کرتے ہیں جو آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟ اس پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خدا کی قسم! یہ کام بھلائی کا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا سینہ بھی کھول دیا اور انہوں نے قرآن عظیم جمع کیا۔

اس حدیث کے تحت چودھویں صدی ہجری کے مجدد، اعلیٰ حضرت امام محمد احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جب زید بن ثابت نے سیدنا صدیق اکبر اور صدیق اکبر نے فاروق اعظم (رضی اللہ عنہم) پر اعتراض کیا تو ان حضرات نے یہ جواب نہ دیا کہ نئی بات نکالنے کی اجازت نہ ہوتا تو پچھلے زمانہ میں ہوگا، ہم صحابہ ہیں، ہمارا زمانہ خیر القرون سے ہے، بلکہ یہی جواب دیا

کہ یہ کام اگرچہ حضور اقدس ﷺ نے نہ کیا مگر یہ اپنی ذات میں بھلائی کا کام ہے پس کیونکر ممنوع ہوسکتا ہے اور اسی پر صحابہ کرام کی رائے متفق ہوئی اور قرآنِ عظیم باتفاقِ حضرات صحابہ کرام جمع ہوا۔ (اقامۃ القیامۃ صفحہ 39)

بدعت کے بُری ہونے کیلئے دورِ صحابہ کے بعد ہونا شرط نہیں چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے تقدیر کے منکر کو بدعتی قرار دیا اور اسے سلام کرنے سے منع فرمادیا۔

(مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی، ابوداؤد، ابنِ ماجہ)

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں رقمطراز ہیں:

"سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما چاشت کی نسبت فرماتے ہیں: بیشک وہ بدعت ہے اور کیا ہی عمدہ بدعت ہے اور بیشک وہ ان بہتر چیزوں میں سے ہے جو لوگوں نے نئی نکالیں"۔

سیدنا ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: تم لوگوں نے قیامِ رمضان نیا نکالا، تو اب جو نکالا ہے تو ہمیشہ کیے جاؤ اور کبھی نہ چھوڑنا۔ دیکھو یہاں تو صحابہ کرام نے ان افعال و بدعت کہہ کر حسن کہا اور انہی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے مسجد میں ایک شخص کو تثویب کہتے سن کر اپنے غلام سے فرمایا: "نکل چل ہمارے ساتھ اس بدعتی کے پاس سے"۔
سیدنا عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے کو نماز میں بسم اللہ بآوازِ بلند پڑھتے سن کر فرمایا: اے میرے بیٹے! یہ نو پیدا بات ہے، بچ نئی باتوں سے۔ یہ فعل بھی اسی زمانے میں واقع ہوئے تھے، انہیں بدعت کہہ کر بدعتِ سیئہ مذمومہ ٹھہرایا، تو معلوم ہوا کہ صحابہ کے نزدیک بھی اپنے زمانے میں ہونے یا نہ ہونے پر (بدعت کا) دارومدار نہ تھا بلکہ وہ نفسِ فعل کو دیکھتے، اگر اس میں کوئی محذور شرعی نہ ہوتا تو اجازت دیتے ورنہ منع فرماتے اور یہی طریقہ تابعین و تبع تابعین کے زمانہ میں رائج رہا ہے۔

(اقامۃ القیامۃ صفحہ 38)

حبیبِ کبریا علیہ التحیۃ والثناء کا فرمانِ عالیشان ہے:

''جس نے اسلام میں اچھا طریقہ ایجاد کیا تو اس کیلئے اس کا ثواب ہے اور اس کے بعد اس پر عمل کرنے والوں کی مثل بھی اسے ثواب ہوگا اور ان بعد والوں کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ اور جس نے اسلام میں برا طریقہ ایجاد کیا اس پر اس کا گناہ ہے اور اس کے بعد اس پر عمل کرنے والوں کا بھی گناہ ہوگا جبکہ ان بعد والوں کے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہوگی''۔ (مسلم)

شارحِ مسلم امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اس سے معلوم ہوا کہ اچھے امور کا ایجاد کرنا مستحب اور برے امور کا ایجاد کرنا حرام ہے''۔

نئے امور کی ایجاد کیلئے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند شرائط بیان فرمائی ہیں جن پر ان نئے کاموں کے اچھے یا برے ہونے کا دارومدار ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''بہترین کلام اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور بہترین طریقہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے اور بدترین امور وہ ہیں جو نئے ایجاد ہوں اور ہر نئی چیز گمراہی ہے''۔ (مسلم)

دوسری حدیث میں ارشاد ہوا:

''جس نے ہمارے دین میں وہ چیز ایجاد کی جو اس میں نہیں، وہ مردود ہے''۔ (بخاری)

ایک اور جگہ فرمایا:

''میری اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت پر لازم ہے، اس کو نہایت مضبوطی سے تھام لو اور نئی نئی باتوں سے بچو کیونکہ ہر نئی بات بدعت

اور ہر بدعت گمراہی ہے"۔ (مشکوٰۃ بحوالہ ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

ان احادیثِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ وہ نئے عقائد یا اعمال جو قرآن کریم یا سیرتِ مصطفیٰ یا سیرتِ خلفائے راشدین کے خلاف ہوں یا جن کی اصل دین میں موجود نہ ہو، وہ سب بدعتِ سیئہ اور گمراہی ہیں۔

امام ابنِ حجر عسقلانی فتح الباری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:

بدعت اگر کسی ایسی چیز کے تحت داخل ہو جس کی خوبی شرع سے ثابت ہے تو وہ اچھی ہے اور اگر کسی ایسی چیز کے تحت داخل ہو جس کی برائی شرع سے ثابت ہے تو وہ بری ہے اور جو دونوں میں سے کسی سے متعلق نہ ہو وہ مباح ہے۔

امام بیہقی امام شافعی (رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں کہ نئی باتیں دو قسم کی ہیں ایک وہ کہ قرآن یا احادیث یا آثار یا اجماع کے خلاف ہوں یہ بدعت گمراہی ہیں دوسری وہ جو خیر پر مبنی ہوں اور ان کے خلاف نہ ہوں وہ بری نہیں ہیں۔ (اقامۃ القیامۃ صفحہ 33)

مذکورہ آیات و احادیث مبارکہ اور ائمہ دین کے اقوال سے ثابت ہو گیا کہ جو بدعت قرآن و سنت کے خلاف ہو اسے بدعتِ سیئہ اور جو ان کے خلاف نہ ہو اسے بدعتِ حسنہ کہتے ہیں۔

محدث علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ بدعت کی اقسام کے متعلق فرماتے ہیں:

"بدعت یا تو واجب ہے جیسے کہ علمِ نحو کا سیکھنا اور اصولِ فقہ کا جمع کرنا یا حرام ہے جیسے کہ جبریہ مذہب یا مستحب ہے جیسے کہ مسجدوں کو فخریہ زینت دینا یا جائز ہے جیسے فجر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا اور عمدہ عمدہ کھانوں اور شربتوں میں وسعت کرنا"۔ (مرقاۃ)

اگر بدعتِ حسنہ اور سیئہ کا فرق نہ کیا جائے تو موجودہ دور کے بیشتر کام جو ثواب سمجھ کر کیے جاتے ہیں معاذ اللہ حرام ہو جائیں گے جیسا کہ محفلِ میلاد اور گیارہویں

شریف کو بدعت وحرام کہنا حالانکہ ایسا کہنے والے خود ان کاموں کو ثواب کا باعث جانتے ہیں۔

اور قرآن کریم خطِ نسخ میں لکھنا، اس کے الفاظ پر اعراب ڈالنا، تیس پاروں میں تقسیم کرنا، اس کے مختلف زبانوں میں ترجمے کرنا، گاڑیوں اور ہوائی جہازوں کے ذریعے حج کا سفر کرنا اور اس کیلئے پاسپورٹ اور ویزا جاری کرانا، تفسیر وحدیث اور فقہ کی کتابیں، دارالعلوم کا نصاب، نماز یا دینی علوم پڑھانے کی تنخواہ لینا، طلبہ کا امتحان لینا، تقسیمِ اسناد کا جلسہ، مساجد میں محراب وگنبد اور مینار بنانا، ان میں ماربل کے فرش اور قالین بچھانا، بجلی کے پنکھے، لائٹیں وغیرہ لگانا، ایئر کنڈیشنر اور گیزر لگانا وغیرہ بیشمار نئے کام ایسے ہیں جنہیں کارِ ثواب سمجھ کر منکرین نہ صرف خود کرتے ہیں بلکہ ان بدعتوں کیلئے چندے کی اپیلیں بھی کرتے ہیں۔

یہ امر باعثِ افسوس ہے کہ فی الواقع جو بری بدعات مسلمانوں میں رائج ہوگئی ہیں مثلاً داڑھی منڈانا، عورتوں کا بے پردہ بن سنور کر نکلنا، مرد وعورت کا باہم مشابہت کرنا، گانے بجانے کی مجلسیں، وی سی آر، ڈش انٹینا، تصویر سازی، کھڑے ہوکر کھانا پینا، یہود ونصاریٰ کی مشابہت اختیار کرنا وغیرہ ان بدعات کی مخالفت کرنے کی بجائے مخالفین ان نیک ومستحب کاموں کو کیوں بدعتِ سیئہ وحرام قرار دیتے ہیں جن سے دلوں میں آقائے دوجہاں ﷺ کی محبت وعظمت کی روشنیاں پھیلتی ہیں اور محبوبانِ خدا سے عقیدت کا تعلق مضبوط ہوتا ہے۔

باری تعالیٰ ایسے گمراہوں کو عقلِ سلیم اور ہدایت عطا فرمائے۔ آمین۔

باب ششم:

شعائرِ اہلسنّت

عید میلادُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

سوال: بعض لوگ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منانے اور محافلِ میلاد منعقد کرنے کو بدعت و حرام کہتے ہیں۔ قرآن وسنت اور ائمہ دین کے اقوال کی روشنی میں عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شرعی حیثیت بیان فرمایئے۔

جواب: بارہ ربیع الاول کو آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ باسعادت کی خوشی میں پورے عالمِ اسلام میں محافلِ میلاد منعقد کی جاتی ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا میلاد منانا جائز و مستحب ہے اور اس کی اصل قرآن وسنت سے ثابت ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہوا:

”اور انہیں اللہ کے دن یاد دلاؤ“۔ (ابراہیم ۵)

امام المفسرین سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک ایامُ اللہ سے مراد وہ دن ہیں جن میں رب تعالیٰ کی کسی نعمت کا نزول ہوا ہو۔

”ان ایام میں سب سے بڑی نعمت کے دن سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت و معراج کے دن ہیں، ان کی یاد قائم کرنا بھی اس آیت کے حکم میں داخل ہے“۔

(تفسیر خزائن العرفان)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی سب سے عظیم نعمت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہوا:

”بیشک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انہیں میں سے ایک

رسول بھیجا''۔(ال عمران ۱۶۴)

آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تو وہ عظیم نعمت ہیں کہ جن کے ملنے پر رب تعالیٰ نے خوشیاں منانے کا حکم بھی دیا ہے۔ارشاد ہوا:

''اے حبیب!) تم فرماؤ (یہ) اللہ ہی کے فضل اور اسی کی رحمت (سے ہے) اور اسی پر چاہیے کہ خوشی کریں، وہ (خوشی منانا) ان کے سب دھن دولت سے بہتر ہے''۔(یونس ۵۸)

ایک اور مقام پر نعمت کا چرچا کرنے کا حکم بھی ارشاد فرمایا:

''اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو''۔(الضحیٰ ۱۱)

خلاصہ یہ ہے کہ عیدِ میلاد منانا لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے دن یاد دلانا بھی ہے، اس کی نعمتِ عظمیٰ کا چرچا کرنا بھی اور اس نعمت کے ملنے کی خوشی منانا بھی۔ اگر ایمان کی نظر سے قرآن و حدیث کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ذکرِ میلادِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی سنت بھی ہے اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بھی۔

سورہ ال عمران کی آیت ۸۱ ملاحظہ کیجئے۔ رب ذوالجلال نے کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام کی محفل میں اپنے حبیبِ لبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد اور فضائل کا ذکر فرمایا۔ گویا یہ سب سے پہلی محفلِ میلاد تھی جسے اللہ تعالیٰ نے منعقد فرمایا اور اس محفل کے شرکاء صرف انبیاء کرام علیہم السلام تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا میں تشریف آوری اور فضائل کا ذکر قرآن کریم کی متعدد آیاتِ کریمہ میں موجود ہے۔

رسولِ معظم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ کی چند محافلِ میلاد کا ذکر ملاحظہ فرمائیے۔

آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مسجدِ نبوی میں منبر شریف پر اپنا ذکرِ ولادت فرمایا۔

(جامع ترمذی جلد 2 صفحہ 201)

آپ نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کیلئے منبر پر چادر بچھائی اور انہوں نے منبر پر بیٹھ

کر نعت شریف پڑھی، پھر آپ نے ان کیلئے دعا فرمائی۔ (صحیح بخاری جلد 1 صفحہ 65)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے غزوہ تبوک سے واپسی پر بارگاہِ رسالت میں ذکرِ میلاد پر مبنی اشعار پیش کیے۔ (اسدُ الغابہ جلد 2 صفحہ 129)

اسی طرح حضرات کعب بن زبیر، سواد بن قارب، عبداللہ بن رواحہ، کعب بن مالک و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نعتیں کتبِ احادیث و سیرت میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

بعض لوگ یہ وسوسہ اندازی کرتے ہیں کہ اسلام میں صرف دو عیدیں ہیں، لہٰذا تیسری عید حرام ہے۔ (معاذ اللہ)

اس نظریہ کے باطل ہونے کے متعلق قرآن کریم سے دلیل لیجیے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

> "عیسیٰ بن مریم نے عرض کی: اے اللہ! اے ہمارے رب! ہم پر آسمان سے ایک (کھانے کا) خوان اتار کہ وہ ہمارے لیے عید ہو ہمارے اگلوں پچھلوں کی"۔ (المائدہ ۱۱۴)

صدرُ الافاضل فرماتے ہیں:

> "یعنی ہم اس کے نزول کے دن کو عید بنائیں، اس کی تعظیم کریں، خوشیاں منائیں، تیری عبادت کریں، شکر بجالائیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس روز اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت نازل ہو اس دن کو عید بنانا اور خوشیاں منانا، عبادتیں کرنا اور شکر بجالانا صالحین کا طریقہ ہے اور کچھ شک نہیں کہ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین نعمت اور بزرگ ترین رحمت ہے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ کے دن عید منانا اور میلاد شریف پڑھ کر شکرِ الٰہی بجالانا اور اظہارِ فرح اور سُرور کرنا مستحسن و محمود اور اللہ کے مقبول بندوں کا طریقہ ہے"۔ (تفسیر خزائن العرفان)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ تلاوت فرمائی تو ایک یہودی نے کہا: اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید مناتے۔ اس پر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ آیت جس دن نازل ہوئی اس دن دو عیدیں تھیں، عیدِ جمعہ اور عیدِ عرفہ۔ (ترمذی)

پس قرآن وحدیث سے ثابت ہوگیا کہ جس دن کوئی خاص نعمت نازل ہو اس دن عید منانا جائز بلکہ اللہ تعالیٰ کے مقرب نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنت ہے۔ چونکہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے صدقے میں ملی ہیں اس لیے آپ کا یومِ میلاد بدرجہ اولیٰ عید قرار پایا۔

عیدِ میلاد پہ ہوں قربان ہماری عیدیں
کہ اسی عید کا صدقہ یہ ساری عیدیں

شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ اکابر ائمہ کے حوالے سے فرماتے ہیں: کہ شبِ میلادِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم شبِ قدر سے افضل ہے، کیونکہ شبِ قدر میں قرآن نازل ہوا اس لیے وہ ہزار مہینوں سے بہتر قرار پائی تو جس شب میں صاحبِ قرآن آیا وہ کیونکر شبِ قدر سے افضل نہ ہوگی؟ (ما ثبت بالسنۃ)

جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند
اُس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام

صحیح بخاری جلد دوم میں ہے کہ ابولہب کے مرنے کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اسے خواب میں بہت بری حالت میں دیکھا اور پوچھا: مرنے کے بعد تیرا کیا حال رہا؟ ابولہب نے کہا: تم سے جدا ہو کر میں نے کوئی راحت نہیں پائی سوائے اس کے کہ میں تھوڑا سا سیراب کیا جاتا ہوں کیونکہ میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیدائش کی خوشی میں اپنی لونڈی ثویبہ کو آزاد کیا تھا۔

امام ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد کی خوشی کی وجہ سے ابولہب جیسے کافر کا یہ حال ہے کہ اس کے عذاب میں کمی کردی جاتی ہے حالانکہ اس کی مذمت میں قرآن نازل ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مومن امتی کا کیا حال ہوگا جو میلاد کی خوشی میں حضور کی محبت کے سبب مال خرچ کرتا ہے۔ قسم ہے میری عمر کی، اس کی جزا یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے اپنے فضل وکرم سے جنت نعیم میں داخل فرمادے۔ (مَوَاہِبُ اللدُنیہ جلد 1 صفحہ 27 مطبوعہ مصر)

اب ہم یہ جائزہ لیتے ہیں کہ خالقِ کائنات نے اپنے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جشنِ عیدِ میلاد کیسے منایا؟

سیرتِ حلبیہ جلد 1 صفحہ 78 اور خصائصِ کبریٰ جلد 1 صفحہ 47 پر یہ روایت موجود ہے کہ ''جس سال نورِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کو ودیعت ہوا وہ سال فتح و نصرت، تروتازگی اور خوشحالی کا سال کہلایا۔ اہلِ قریش اس سے قبل معاشی بدحالی اور قحط سالی میں مبتلا تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی برکت سے اس سال ربِ کریم نے ویران زمین کو شادابی اور ہریالی عطا فرمائی، سوکھے درخت پھلوں سے لد گئے اور اہلِ قریش خوشحال ہوگئے''۔ اہلسنّت اسی مناسبت سے میلادِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی میں اپنی استطاعت کے مطابق کھانے، شیرینی اور پھل وغیرہ تقسیم کرتے ہیں۔

عیدِ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر شمعِ رسالت کے پروانے چراغاں بھی کرتے ہیں، اس کی اصل مندرجہ ذیل احادیثِ مبارکہ ہیں۔

آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

''میری والدہ ماجدہ نے میری پیدائش کے وقت دیکھا کہ اُن سے ایسا نور نکلا جس سے ملک شام کے محلات روشن ہوگئے''۔ (مشکوٰۃ)

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''جب آپ ﷺ کی ولادت ہوئی تو ساتھ ہی ایسا نور نکلا جس سے مشرق سے مغرب تک ساری کائنات روشن ہوگئی''۔

(طبقاتِ ابن سعد جلد 1 صفحہ 102، سیرتِ حلبیہ جلد 1 صفحہ 91)

ہم تو عیدِ میلاد کی خوشی میں اپنے گھروں اور مساجد پر چراغاں کرتے ہیں، خالقِ کائنات نے نہ صرف ساری کائنات میں چراغاں کیا بلکہ آسمان کے ستاروں کو فانوس اور قمقمے بنا کر زمین کے قریب کر دیا۔

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کی والدہ فرماتی ہیں:

''جب آپ ﷺ کی ولادت ہوئی میں خانہ کعبہ کے پاس تھی، میں نے دیکھا کہ خانہ کعبہ نور سے روشن ہوگیا اور ستارے زمین کے اتنے قریب آ گئے کہ مجھے یہ گمان ہوا کہ کہیں وہ مجھ پر گر نہ پڑیں''۔

(سیرتِ حلبیہ جلد 1 صفحہ 94، خصائصِ کبریٰ جلد 1 صفحہ 40، زرقانی علی المواہب جلد 1 صفحہ 116)

سَیِّدَتُنا آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''میں نے تین جھنڈے بھی دیکھے، ایک مشرق میں گاڑا گیا تھا دوسرا مغرب میں اور تیسرا جھنڈا خانہ کعبہ کی چھت پر لہرا رہا تھا''۔ (سیرتِ حلبیہ جلد 1 صفحہ 109)

یہ حدیث ''الوفا باحوالِ المصطفیٰ ﷺ'' میں محدث ابنِ جوزی نے بھی روایت کی ہے۔ اس سے عیدِ میلاد النبی ﷺ کے موقع پر جھنڈے لگانے کی اصل بھی ثابت ہوئی۔

عیدِ میلاد النبی ﷺ کے موقع پر جلوس بھی نکالا جاتا ہے اور نعرۂ رسالت بلند کیے جاتے ہیں۔ اس کی اصل یہ حدیثِ پاک ہے کہ:

جب آقا و مولیٰ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اہلیانِ مدینہ نے جلوس کی صورت میں استقبال کیا۔ حدیث شریف میں ہے کہ مرد اور عورتیں گھروں کی چھتوں پر چڑھ گئے اور بچے اور خُدام گلیوں میں پھیل گئے۔ یہ سب بآوازِ بلند کہہ رہے

تھے، یا محمد یا رسول اللہ، یا محمد یا رسول اللہ۔ (ﷺ) (صحیح مسلم جلد دوم باب الہجرۃ)

جشنِ عیدِ میلادُ النبی ﷺ کی شرعی حیثیت بیان کرنے کے بعد اب چند تاریخی حوالہ جات پیشِ خدمت ہیں جن سے ثابت ہو جائے گا کہ محافلِ میلاد کا سلسلہ عالمِ اسلام میں ہمیشہ سے جاری ہے۔

محدث ابنِ جوزی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 597ھ) فرماتے ہیں:

''مکہ مکرمہ، مدینہ طیبہ، یمن، مصر، شام اور تمام عالمِ اسلام کے لوگ مشرق سے مغرب تک ہمیشہ سے حضورِ اکرم ﷺ کی ولادتِ باسعادت کے موقع پر محافلِ میلاد کا انعقاد کرتے چلے آرہے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ اہتمام آپ ﷺ کی ولادت کے تذکرے کا کیا جاتا ہے اور مسلمان ان محافل کے ذریعے اجرِ عظیم اور بڑی روحانی کامیابی پاتے ہیں''۔

(المیلاد النبوی صفحہ 58)

امام ابنِ حجر شافعی رحمۃ اللہ علیہ (م 852ھ) فرماتے ہیں:

''محافلِ میلاد و اذکار اکثر خیر ہی پر مشتمل ہوتی ہیں کیونکہ ان میں صدقات، ذکرِ الٰہی اور بارگاہِ نبوی میں درود و سلام پیش کیا جاتا ہے''۔ (فتاویٰ حدیثیہ صفحہ 129)

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (م 911ھ) فرماتے ہیں:

''میرے نزدیک میلاد کیلئے اجتماع تلاوتِ قرآن، حیاتِ طیبہ کے واقعات اور میلاد کے وقت ظاہر ہونے والی علامات کا تذکرہ ان بدعاتِ حسنہ میں سے ہے جن پر ثواب ملتا ہے کیونکہ اس میں حضور ﷺ کی تعظیم اور آپ کی ولادت پر خوشی کا اظہار ہوتا ہے''۔

(حسن المقصد فی عمل المولد فی الحاوی للفتاویٰ جلد 1 صفحہ 189)

امام قسطلانی شارح بخاری رحمۃ اللہ علیہ (م 923ھ) فرماتے ہیں:

"ربیع الاول میں تمام اہلِ اسلام ہمیشہ سے میلاد کی خوشی میں محافل منعقد کرتے رہے ہیں۔ محفلِ میلاد کی یہ برکت مجرب ہے کہ اس کی وجہ سے سارا سال امن سے گزرتا ہے اور ہر مراد جلد پوری ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحمتیں نازل فرمائے جس نے ماہِ میلاد کی ہر رات کو عید منا کر ایسے شخص پر شدت کی جس کے دل میں مرض و عناد ہے"۔

(مواہب الدنیہ جلد 1 صفحہ 27)

شاہ عبدالرحیم محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (والد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ م 1176ھ) فرماتے ہیں کہ میں ہر سال میلاد شریف کے دنوں میں کھانا پکوا کر لوگوں کو کھلایا کرتا تھا۔ ایک سال قحط کی وجہ سے بھنے ہوئے چنوں کے سوا کچھ میسر نہ ہوا، میں نے وہی چنے تقسیم کردیے۔ رات کو خواب میں آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرّف ہوا تو دیکھا کہ وہی بھنے ہوئے چنے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھے ہوئے ہیں اور آپ بیحد خوش اور مسرور ہیں۔ (الدرالثمین صفحہ 8)

ان دلائل و براہین سے ثابت ہوگیا کہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محافل منعقد کرنے اور میلاد کا جشن منانے کا سلسلہ امتِ مسلمہ میں صدیوں سے جاری ہے اور اسے بدعت و حرام کہنے والے دراصل خود بدعتی و گمراہ ہیں۔

کھڑے ہو کر درود و سلام پڑھنا:

سوال: بدمذہب و گمراہ لوگ کھڑے ہو کر درود و سلام پڑھنے کو بدعتِ سیئہ و حرام بتاتے ہیں۔ شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں اس مسئلہ کی وضاحت فرما دیجیے۔

جواب: ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"بیشک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے پر، اے

ایمان والو! تم بھی ان پر درود اور خوب سلام بھیجو"۔ (الاحزاب 56)

اس آیتِ کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے، حبیبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو بیٹھنے یا کھڑے ہونے سے پاک ہے کیونکہ یہ مخلوق کی صفات ہیں البتہ بعض فرشتے سجدے کی حالت میں ہیں اور بعض رکوع کی حالت میں، بعض قعود کی حالت میں ہیں اور بعض فرشتے وہ ہیں جو صفیں بنا کر کھڑے ہیں۔ (سورۃ الصّٰفّٰت:1) اور سب فرشتے درود بھیج رہے ہیں غیب بتانے والے آقا صلی اللہ علیہ وسلم پر۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک تمام مسلمان مواجہِ اقدس میں کھڑے ہو کر ہی درود و سلام پیش کرتے آئے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ کھڑے ہو کر درود و سلام پیش کرنا بعض ملائکہ کی سنت بھی ہے نیز صحابہ کرام اور تمام زائرینِ بارگاہِ نبوی کا طریقہ بھی یہی ہے۔

اس آیت مبارکہ میں کسی خاص یا کسی مخصوص حالت کا ذکر نہ فرمایا گیا بلکہ مطلق حکم دیا گیا تا کہ درود و سلام پڑھنا ہر وقت اور ہر حالت میں جائز قرار پائے ماسوائے اس کے کہ بعض اوقات و مواقع کی ممانعت کا شریعت حکم صادر کرے۔ پس شرعاً ممنوع مواقع کے علاوہ جس وقت اور جس حالت میں درود و سلام پڑھا جائے مذکورہ حکمِ الٰہی کی تعمیل ہوتی ہے۔

مجددِ دین و ملت اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب کسی بات کو شرع نے پسندیدہ کہا ہے تو جس جگہ، جس وقت اور جس طرح وہ بات واقع ہوگی ہمیشہ پسندیدہ رہے گی جب تک کہ کسی خاص صورت کی ممانعت شریعت سے نہ آ جائے۔ مثلاً ذکرِ الٰہی کی خوبی اور اچھائی قرآن و حدیث سے ثابت ہے تو جب کہیں کسی طور خدا کا ذکر کیا جائے گا بہتر ہی ہوگا، ہر ہر حالت کا ثبوت شرع سے ضروری نہیں مگر بیت الخلاء میں بیٹھ کر زبان سے ذکرِ الٰہی کرنا ممنوع ہے کیونکہ اس خاص صورت کی برائی شرع سے ثابت ہے۔ غرض یہ کہ جس مطلق بات کی خوبی معلوم

ہواس کی خاص خاص صورتوں کی جدا جدا خوبی ثابت کرنا ضروری نہیں کیونکہ وہ تمام صورتیں اسی مطلق بات کی ہیں جس کی خوبی ثابت ہوچکی، البتہ کسی خاص صورت کو ناجائز و برا بتانے کیلئے دلیل لانی ہوگی۔

''سب چیزوں کی اصل جائز و مباح ہے'' اس فقہی قانون کے متعلق اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: جس چیز کی ممانعت شریعت سے ثابت ہے اور اس کی برائی پر شرعی دلیل موجود ہے وہی منع اور ناجائز ہے باقی سب چیزیں جائز و مباح ہیں۔ تو جو شخص کسی فعل کو ناجائز یا حرام یا مکروہ کہے اس پر واجب ہے کہ اپنے دعوے پر دلیل لائے۔ اسے جائز و مباح کہنے والوں کو ہرگز دلیل کی حاجت نہیں کیونکہ ممانعت پر کوئی شرعی دلیل نہ ہونا یہی جواز کیلئے کافی ہے۔

آقا و مولیٰ ﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے، حلال وہ ہے جو خدا نے اپنی کتاب میں حلال کیا اور حرام وہ جو خدا نے اپنی کتاب میں حرام فرمادیا اور جس کے بارے میں خاموشی فرمائی وہ معاف ہے یعنی اس کے فعل پر کچھ مواخذہ نہیں۔ (ترمذی، ابنِ ماجہ، مستدرک للحاکم)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سب چیزوں کی اصل مباح ہونا ہے۔ پھر مزید دلائل دے کر فرماتے ہیں: پس مجلسِ میلاد و قیام (درود و سلام کیلئے کھڑے ہونا) وغیرہ متنازعہ امور کے جواز پر ہمیں کوئی دلیل قائم کرنے کی حاجت نہیں۔ شرع سے ممانعت ثابت نہ ہونا ہی ہمارے لیے دلیل ہے، ہاں تم جو ناجائز و ممنوع کہتے ہو، تم ثبوت دو کہ خدا اور سول نے ان چیزوں کو کہاں ناجائز فرمایا ہے؟؟؟ اگر ثبوت نہ دے سکو اور انشاء اللہ تعالیٰ ہرگز نہ دے سکو گے تو اقرار کرو کہ تم نے شریعتِ مطہرہ پر بہتان لگایا۔

(اقامۃ القیامۃ ملخصا)

ارشادِ ربانی ہے:

''جھوٹ بہتان وہی باندھتے ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے

اور وہی جھوٹے ہیں"۔(النحل 105)

اب قرآن مجید واحادیثِ کریمہ سے مزید دلائل ملاحظہ کیجیے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"رسول کی تعظیم وتوقیر کرو"۔(الفتح 9)

تعظیم کی ایک صورت قیام یعنی کھڑے ہونا ہے۔

صحیح بخاری جلد دوم میں ہے کہ آقا ومولیٰ ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کیلئے صحابہ کرام کو کھڑے ہونے کا حکم دیا۔ مشکوٰۃ جلد دوم میں ہے کہ نبی کریم ﷺ جب مسجدِ نبوی سے گھر مبارک جانے کیلئے اٹھتے تو سب صحابہ کرام تعظیم وتکریم کے طور پر کھڑے ہوجاتے اور اس وقت تک کھڑے رہتے جب تک آپ اپنے حجرہ اقدس میں داخل نہ ہوجاتے۔ معلوم ہوا کہ قیامِ تعظیمی سنت سے ثابت ہے۔

ایک اور آیتِ کریمہ میں فرمایا گیا:

"اور جب کہا جائے اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہو، اللہ تمہارے ایمان والوں کے اور ان کے جن کو علم دیا گیا، درجے بلند فرمائے گا اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے"۔(المجادلۃ ۱۱)

صدرُ الافاضل فرماتے ہیں:

"ذکرِ رسول ﷺ کی تعظیم کیلئے کھڑے ہونا اسی میں داخل ہے"۔

(تفسیر خزائن العرفان)

اہلِسنّت و جماعت اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کی بارگاہِ بیکس پناہ میں محبت و تعظیم کے اظہار کے طور پر کھڑے ہوکر درود وسلام پڑھتے ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ بیان کی جا چکی کہ یہ ملائکہ وصحابہ کی سنت سے ثابت ہے۔ اس کی تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ ائمہ دین و صالحین کی بھی سنت ہے۔

علامہ علی بن برہان الدین حلبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے وقت قیام کرنا جلیل القدر محدث امام تقی الدین سُبکی رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۵۶ھ) سے ثابت ہے اور اس قیام پر ان کے ہم عصر مشائخِ اسلام نے ان کی پیروی کی۔

امام سبکی کے پاس جید علماء و مشائخ کا عظیم اجتماع تھا، اس محفل میں کسی نے امام صرصری کے نعتیہ اشعار پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے:

"اگر بہترین کاتب چاندی کی تختی پر سونے کے پانی سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف لکھے پھر بھی کم ہے، بیشک عزت و شرف والے لوگ آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ جمیل سن کر صف بستہ قیام کرتے ہیں یا گھٹنوں کے بل کھڑے ہو جاتے ہیں"۔

یہ اشعار سن کر امام سبکی اور تمام علماء و مشائخ کھڑے ہو گئے، اس وقت بہت سُرور اور سکون حاصل ہوا۔ (سیرتِ حلبیہ جلد 1 صفحہ 80، الطبقات الکبریٰ جلد 1 صفحہ 208)

امام المحدثین شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۵۶ھ) فرماتے ہیں:

"اے اللہ! میرا کوئی عمل ایسا نہیں ہے جسے تیری بارگاہ میں پیش کرنے کے لائق سمجھوں، میرے تمام اعمال میں فسادِ نیت کا خدشہ رہتا ہے البتہ مجھ حقیر فقیر کا ایک عمل صرف تیری ذاتِ پاک کی عنایت کی وجہ سے نہایت شاندار ہے اور وہ یہ ہے کہ میں محفلِ میلاد میں کھڑے ہو کر سلام پڑھتا ہوں اور نہایت عاجزی اور محبت و خلوص سے تیرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہوں۔ اے اللہ! وہ کون سا مقام ہے جہاں میلادِ مبارک سے زیادہ تیری برکت نازل ہوتی ہے اس لیے اے ارحم الراحمین! مجھے کامل یقین ہے کہ میرا یہ عمل کبھی ضائع نہ جائے گا بلکہ تیری بارگاہ میں یقیناً قبول ہوگا۔ جو کوئی درود و سلام پڑھے اور اس کے وسیلے سے دعا کرے وہ کبھی مستردِ نہیں ہو سکتی"۔

(اخبار الاخیار صفحہ 624)

اب آخر میں قیام وسلام کو بدعت کہنے والے اپنے اکابرین کے پیرومرشد حاجی امداداللہ مہاجر مکی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان بھی سن لیں۔ وہ فرماتے ہیں:

''مشرب فقیر کا یہ ہے کہ محفلِ میلاد میں شریک ہوتا ہوں بلکہ ذریعۂ برکات سمجھ کر ہر سال منعقد کرتا ہوں اور قیام میں لطف ولذت پاتا ہوں''۔

(فیصلہ ہفت مسئلہ صفحہ 5)

انہی حاجی صاحب کے نزدیک کسی بھی جگہ محفلِ میلاد میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا خیال کرنے میں شرعاً کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا کہیں بھی قدم رنجہ فرمانا کوئی ناممکن بات نہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

''اگر احتمالِ تشریف آوری کیا جائے، مضائقہ نہیں کیونکہ عالمِ خلق مقید بزمان و مکان ہے لیکن عالمِ اَمر دونوں سے پاک ہے پس قدم رنجہ فرمانا ذاتِ بابرکات کا بعید نہیں''۔ (شمائمِ امدادیہ صفحہ 93)

بعض کم فہم یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ''کیا تم صحابہ وتابعین کرام سے محبت و تعظیم میں زیادہ ہو کہ جو کام انہوں نے نہیں کیا، تم وہ کرتے ہو لہٰذا یہ بدعت وحرام ہے''۔

یہ اعتراض نہایت لغو ہے کیونکہ کئی امور ایسے ہیں جنہیں صحابہ کرام نے یا تابعینِ عظام نے اختیار کیا، اس سے قبل وہ نیک کام کسی نے نہ کیے تھے، تو کیا ان کاموں کو بدعت وحرام کہا جائے گا؟؟؟

امام قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ کتابُ الشفا میں فرماتے ہیں: امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ میں سواری پر سوار نہ ہوتے اور فرماتے: مجھے شرم آتی ہے کہ جس مقدس سرزمین میں آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما ہوں، میں اسے جانور کے سُم سے روندوں۔

آپ بتائیے کیا صحابہ کرام مدینہ طیبہ میں سواری پر سوار نہ ہوتے تھے؟

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ فقہ کے مسائل تو کسی اہتمام کے بغیر سکھا دیتے

لیکن علمِ حدیث سکھانے کیلئے غسل فرماتے، خوشبو لگاتے، نیا لباس پہنتے، عمامہ باندھتے، ان کیلئے دولہا کے تخت کی طرح تخت بچھایا جاتا، اسے خوشبوؤں سے معطر کیا جاتا، پھر آپ اس پر بیٹھ کر حدیث پاک بیان کرتے۔ پوچھنے پر آپ نے فرمایا: میں پسند کرتا ہوں کہ حدیثِ رسول ﷺ کی تعظیم کروں اور میں حدیث بیان نہیں کرتا جب تک وضو کر کے خوب سکون و وقار کے ساتھ نہ بیٹھ جاؤں۔

فرمایئے! امام مالک جو تبع تابعین ہیں ان سے قبل کوئی ایسی مثال پیش کی جا سکتی ہے؟ نہیں ہر گز نہیں۔

مذکورہ اعتراض کے جواب میں اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

یہ اعتراض اگر قابلِ تسلیم ہو تو تبع تابعین پر تابعین کے اعتبار سے اور تابعین پر صحابہ کے لحاظ سے اور صحابہ کرام پر رسول اللہ ﷺ کے اعتبار سے وارد ہوگا۔ مثلاً جو فعل حضور ﷺ، صحابہ اور تابعین نے نہ کیا اور تبع تابعین نے کیا تو تم اسے بدعت نہیں کہتے۔ تمہاری طرح ہم کہیں گے، اس کام میں بھلائی ہوتی تو رسول اللہ ﷺ، صحابہ اور تابعین ضرور کرتے، کیا تبع تابعین ان سے زیادہ دین کا اہتمام رکھتے ہیں کہ جو انہوں نے نہ کیا وہ یہ کریں گے۔ اسی طرح تابعین کے زمانے میں جو کچھ پیدا ہوا، اس پر کہا جائے گا کہ یہ بہتر ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کیوں نہ کرتے تابعین کیا ان سے بڑھ کر ہیں؟ علیٰ ھذا القیاس جو نئی باتیں صحابہ کرام نے کیں، ان میں بھی تمہاری طرح کہا جائے گا، کیا رسول اللہ ﷺ کو معاذ اللہ ان کاموں کی خوبی معلوم نہ ہوئی یا صحابہ کرام کی نیک کاموں پر زیادہ توجہ تھی۔

معلوم ہوا کہ اس لغو اعتراض کی بناء پر عیاذاً باللہ عیاذاً باللہ تمام صحابہ و تابعین بھی بدعتی قرار پاتے ہیں حالانکہ اصل بات یہ ہے کہ کسی کام کو کرنا اور چیز ہے اور منع کرنا اور چیز۔ حضور ﷺ نے اگر ایک کام نہ کیا اور اس کو منع بھی نہ فرمایا، تو صحابہ کرام کیلئے کون

سی چیز ممانعت کا باعث ہے کہ وہ اسے نہ کریں، اور اگر کوئی کام صحابہ نہ کریں تو تابعین کیلئے کون سی شرعی پابندی ہے، اور اگر وہ نہ کریں تو تبع تابعین کیلئے اسے کرنے پر کوئی پابندی نہیں اور اسی طرح اگر وہ نہ کریں تو ہمارے لیے اسے کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں بس یہ خیال رہے کہ وہ کام شرع کے نزدیک برا نہ ہو۔ (اقامۃ القیامۃ صفحہ 40، ملخصاً)

اذان کے ساتھ درود وسلام پڑھنا:

سوال: بعض گمراہ لوگ اذان سے قبل یا اذان کے بعد درود شریف پڑھنے کو بدعت و حرام بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کی ابتدا اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں محدث بریلوی علیہ رحمۃ اللہ نے کی۔ ان کے خیال میں صرف حضرت بلال رضی اللہ عنہ والی اذان دینی چاہیے۔ اس بارے میں بھی وضاحت فرما دیجیے۔

جواب: اس سے قبل بدعتِ حسنہ اور بدعتِ سیئہ کے بارے میں تفصیلی گفتگو کی جا چکی، پھر "الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ" کے جواز پر بھی دلائل و براہین پیش کیے گئے۔ اب ہم پہلے اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ درود شریف پڑھنا کن مواقع پر ممنوع ہے۔

فقہاء نے مندرجہ ذیل اوقات میں درود پڑھنے سے منع کیا ہے۔ خرید و فروخت کے وقت، جماع، رفع حاجت، ذبح، چھینک، تعجب یا ٹھوکر کے وقت، تلاوتِ قرآن یا نماز کے دوران حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ گرامی آنے پر اور کسی بڑے آدمی کی آمد کی خبر دیتے وقت۔ ان مواقع کے علاوہ جس وقت بھی درود وسلام پڑھا جائے، حکمِ الٰہی "صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا" (ان پر درود وسلام بھیجو) کی تعمیل ہوتی ہے۔ چونکہ جواز کیلئے حکمِ الٰہی موجود ہے لہٰذا ممانعت کیلئے شرعی دلیل ضروری ہے، بغیر دلیل کے کسی چیز کو ناجائز نہیں کہا جا سکتا۔ اس پر پچھلے صفحات میں تفصیل سے گفتگو کی جا چکی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ عالیشان ہے:

''جب تم مؤذن کی اذان سنو تو اسی طرح کہو جس طرح وہ کہتا ہے پھر مجھ پر درود پڑھو کیونکہ جو مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے''۔(مسلم جلد 1 صفحہ 166)

اس حدیث پاک میں درود شریف پڑھنے کا مطلق حکم ہے خواہ آہستہ پڑھا جائے یا بلند آواز سے۔ نیز درود شریف پڑھنے کا حکم مؤذن اور سامعین دونوں کیلئے ہے۔
(ردالمحتار، بہارِ شریعت)

شفا شریف جلد دوم صفحہ 52 اور شامی جلد اول صفحہ 483 پر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے وقت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سننے اور لکھنے کے وقت اور اذان کے وقت درود وسلام پڑھنا مستحب بتایا گیا ہے۔

خود دیوبندی مکتبہ فکر کے مولوی زکریا کاندھلوی صاحب نے ''فضائل درود شریف'' کے صفحہ 72 پر شامی کے حوالہ سے لکھا کہ ''جن اوقات میں (درود) پڑھ سکتا ہو پڑھنا مستحب ہے بشرطیکہ کوئی مانع نہ ہو''۔ پھر انہوں نے تکبیر کے وقت اور اذان کے جواب کے بعد درود پڑھنا مستحب قرار دیا۔(فضائلِ درود شریف)

امامِ اہلسنّت اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے جب اس مسئلہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ''اذان کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام عرض کرنا جیسا کہ ملک عرب ومصر وشام وغیرہا بلادِ دارالاسلام بلکہ خاص مسجد الحرام ومسجد اقدس مدینہ طیبہ میں مغرب کے سوا معمول ہے اور پانچ سو برس سے زیادہ گزرے کہ ائمہ وعلماء اس پر تقریر وتسلیم کرتے آئے، بیشک جائز ومقبول ہے۔ حضور پرنور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ اقدس ہر وقت ہر آن ہر مسلمان کا ایمان، ایمان کی جان، جان کا چین، چین کا سامان ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''جو کسی چیز کو دوست رکھتا ہے اس کو بہت یاد کرتا ہے''۔(ابونعیم، دیلمی)

پھر دلائل کے بعد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

دُرِّ مختار میں ہے کہ اذان کے بعد صلوٰۃ وسلام عرض کرنا شبِ دوشنبہ نمازِ عشاء ماہ ربیع الآخر 781ھ میں شروع ہوا، پھر جمعہ کے دن پھر دس برس بعد مغرب کے سوا سب نمازوں میں پھر دو دفعہ مغرب میں بھی۔ یہ ان نئی باتوں میں سے ہے جو نیک و محمود ہیں۔

امام محدث شمس الملۃ والدین سخاوی ''القول البدیع'' میں، علامہ عمر بن نجیم ''نہر الفائق شرح کنز الدقائق'' میں، پھر فاضل محقق امین الملۃ والدین شامی ''ردالمختار علی الدرالمختار'' میں فرماتے ہیں:

''حق بات یہ ہے کہ یہ بدعتِ حسنہ ہے''۔

امام سخاوی رقم طراز ہیں:

''موذن حضرات فجر اور جمعہ کی اذانوں اور دیگر اذانوں کے بعد جو الصلوٰۃ والسلامُ علیكَ یا رسولَ اللّٰہ پڑھتے ہیں اس کی ابتدا سلطان ناصر صلاح الدین ایوبی کے دور میں ان کے حکم سے ہوئی۔ اس سے پہلے لوگ اپنے خلفاء پر السلام علی الامام الظاهر وغیرہ کہہ کر سلام کہتے تھے جبکہ سلطان نے اس بدعت کو باطل کر کے اس کی جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام کا حکم جاری کیا، اسے اس کی جزائے خیر عطا ہو''۔ (القول البدیع صفحہ 192)

امام سخاوی (متوفی 902ھ) کے علاوہ امام شعرانی (م 973ھ) نے کشف الغمہ صفحہ 78، امام ابن حجر شافعی (م 852ھ) نے فتاویٰ کبریٰ جلد 1 صفحہ 131، امام جلال الدین سیوطی (م 911ھ) نے حسن المحاضرہ میں، محدث علی قاری حنفی (م 1014ھ) نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد اول میں، علامہ حلبی (م 1044ھ) نے

سیرتِ حلبیہ میں اور علامہ ابن عابدین شامی (م 1252ھ) نے ردالمحتار میں اسے بدعتِ حسنہ قرار دے کر اس کی تعریف کی ہے۔ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)

گویا سات سو سال سے ائمہ دین اور جلیل القدر علماء کا اس بات پر اجماع رہا ہے کہ اذان کے ساتھ صلوٰۃ وسلام پڑھنا جائز و مستحب ہے، جبکہ اعلیٰ حضرت محدث بریلوی 1272ھ میں پیدا ہوئے۔ اس سے یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ اذان کے ساتھ درود و سلام پڑھنا اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایجاد نہیں بلکہ یہ تو گزشتہ سات صدیوں سے امتِ مسلمہ کا معمول ہے لہٰذا اسے بدعتِ سیئہ کہنا ہی دراصل بدعت و گمراہی ہے۔

چونکہ سوال میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان کا ذکر کیا گیا اس لیے اس حوالے سے بھی ایک حدیث پاک پیشِ خدمت ہے جس سے ہمارے موقف کی تائید ہوتی ہے۔

ابوداؤد شریف میں حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ایک خاتون سے روایت کرتے ہیں کہ مدینہ طیبہ میں میرا مکان بلند ترین مکانوں میں سے تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس مکان پر صبح صادق سے قبل چڑھ جاتے، جونہی صبح صادق ہوتی تو اذان سے قبل چند دعائیہ کلمات کہہ کر پھر اذان دیتے۔ وہ کلمات یہ ہیں:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَحْمَدُکَ وَاَسْتَعِیْنُکَ عَلٰی قُرَیْشٍ اَنْ یُّقِیْمُوْا دِیْنَکَ۔

"اے اللہ! میں تیری حمد کرتا ہوں اور تجھ سے مدد چاہتا ہوں اس بات پر کہ قریش تیرے دین کو قائم کریں"۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان سے قبل بلند آواز سے قریش کیلئے دعا پڑھتے تھے۔ درود و سلام بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے رحمت کی دعا ہے تو جب اذان سے قبل قریش کیلئے دعا کرنا جائز ہے تو قریش کے سردار، رسولِ ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے دعا کرنا کیونکر ناجائز ہوگا؟؟؟

اِسمِ محمد ﷺ سن کر انگوٹھے چومنا:

سوال: اہلِسنّت و جماعت اذان و اقامت میں نبی کریم ﷺ کا اسمِ گرامی سن کر انگوٹھے چومتے ہیں، اس کی کیا دلیل ہے؟ بعض لوگ اس مسئلے میں بھی شدید مخالفت کرتے ہیں۔

جواب: اذان میں سرکارِ دو عالم ﷺ کا اسمِ گرامی سن کر اپنے دونوں انگوٹھے چوم کر آنکھوں سے لگانا جائز و مستحب اور باعثِ خیر و برکت ہے۔ اس کے جواز پر متعدد احادیث اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف ''منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین'' میں تحریر فرمائی ہیں جبکہ اس سے ممانعت پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

علامہ اسماعیل حقی (م ۱۱۳۷ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کے جمال کو حضرت آدم علیہ السلام کے دونوں انگوٹھوں کے ناخنوں میں مثلِ آئینہ ظاہر فرمایا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے انگوٹھوں کو چوم کر آنکھوں پر پھیرا، پس یہ سنت ان کی اولاد میں جاری ہوئی''۔

(تفسیر روح البیان جلد 4 صفحہ 649)

امام ابوطالب محمد بن علی مکی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب قوت القلوب میں ابنِ عینیہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نمازِ جمعہ ادا کرنے کیلئے دس محرم کو مسجد میں تشریف لائے اور ستون کے قریب بیٹھ گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اذان میں آپ کا نام سن کر اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو اپنی آنکھوں پر پھیرا، اور کہا:

قُرَّةُ عَيْنِيْ بِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔

''یارسول اللہ! آپ میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں''۔

جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان سے فارغ ہوئے تو آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا:

''اے ابوبکر! جو تمہاری طرح میرا نام سن کر انگوٹھے آنکھوں پر پھیرے اور جو تم نے کہا وہ کہے، اللہ تعالیٰ اس کے تمام نئے پرانے، ظاہر و باطن گناہوں سے درگزر فرمائے گا''۔ (ایضاً، صفحہ 648)

امام سخاوی، امام دیلمی کے حوالے سے فرماتے ہیں:

''حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب موذن سے اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰهِ سنا تو یہی جواب میں کہا اور اپنی شہادت کی انگلیاں زیریں جانب سے چوم کر آنکھوں سے لگائیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو میرے اس پیارے دوست کی طرح کرے اس کیلئے میری شفاعت حلال ہوگئی۔ (المقاصد الحسنہ)

امام سخاوی، امام محمد بن صالح مدنی کی تاریخ سے نقل فرماتے ہیں کہ انہوں نے امام مجد مصری کو یہ فرماتے سنا کہ جو شخص اذان میں آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سن کر درود پڑھے اور اپنی شہادت کی انگلیاں اور انگوٹھے ملا کر ان کو بوسہ دے اور آنکھوں پر پھیرے، اس کی آنکھیں کبھی نہ دُکھیں گی۔ (ایضاً)

فقہ کی مشہور کتاب ردالمحتار جلد اول صفحہ 370 پر ہے:

''مستحب ہے کہ اذان میں پہلی بار شہادت سن کر صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰه اور دوسری بار شہادت سن کر قُرَّةُ عَيْنِيْ بِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰه کہے، پھر اپنے انگوٹھے چوم کر اپنی آنکھوں پر پھیرے اور یہ کہے اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنِيْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے اپنے ساتھ جنت میں لے جائیں گے۔ ایسا ہی کنز العباد امام قہستانی میں اور اسی کی مثل فتاویٰ صوفیہ میں ہے''۔

اسی طرح کتاب الفردوس، شرح نقایہ، طحطاوی اور بحر الرائق کے حواشی رملی میں ہے اور حاشیہ تفسیر جلالین میں یوں ہے کہ

''ہم نے اس مسئلے پر اس لیے طویل گفتگو کی کیونکہ بعض لوگ جہالت کی وجہ سے اس مسئلے میں اختلاف کرتے ہیں''۔

حنفی علماء کے علاوہ شافعی علماء اور مالکی علماء نے بھی انگوٹھے چومنے کو مستحب قرار دیا ہے۔

بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس بارے میں کوئی صحیح مرفوع حدیث نہیں ہے، سب احادیث ضعیف ہیں لہٰذا ضعیف حدیث شرعی دلیل نہیں بن سکتی۔ یہ اعتراض فنِ حدیث سے جہالت پر مبنی ہے۔ محدثین کا یہ فرمانا کہ ''یہ احادیث رسول کریم ﷺ تک مرفوع ہو کر صحیح نہیں'' یہ ثابت کرتا ہے کہ یہ احادیث موقوف صحیح ہیں کیونکہ صحیح نہ ہونے سے ضعیف ہونا لازم نہیں آتا۔ ان کے علاوہ بھی احادیث کے کئی درجے ہیں جن میں بدتر درجہ موضوع ہے جبکہ ''فضائلِ اعمال میں ضعیف حدیث بالاجماع مقبول ہے''۔ (مرقاۃ، اشعۃ اللمعات)

انگوٹھے چومنے سے متعلق حدیث موقوف صحیح ہے چنانچہ محدث علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''میں کہتا ہوں جب اس حدیث کا رفع حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک ثابت ہے تو عمل کیلئے کافی ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے، میں تم پر لازم کرتا ہوں اپنی سنت اور اپنے خلفاء راشدین کی سنت''۔

(موضوعات کبیر صفحہ 64)

عاشقِ رسول ﷺ، ولیِ کامل، اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لب پہ آ جاتا ہے جب نامِ جناب
منہ میں گھل جاتا ہے شہدِ نایاب

وجد میں ہو کے ہم اے جان بیتاب
اپنے لب چوم لیا کرتے ہیں

کھانے پینے پر فاتحہ پڑھنا کیسا ہے؟:

سوال: کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھنا کیسا ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ فاتحہ پڑھنے سے کھانا حرام ہو جاتا ہے۔ اس بارے میں رہنمائی فرمائیں۔

جواب: اعلیٰ حضرت محدث بریلوی قدس سرہٗ فتاویٰ رضویہ میں فرماتے ہیں: مسلمان کو دنیا سے جانے کے بعد قرآن مجید کی تلاوت یا کلمہ شریف اور درود شریف کی قرأت اور دوسرے اعمال صالحہ یا کھانے کپڑے وغیرہ (صدقہ کرنے کا) جو ثواب پہنچایا جاتا ہے، اسے عرف میں فاتحہ کہتے ہیں کیونکہ اس میں سورہ فاتحہ پڑھی جاتی ہے۔ اور اولیاء کرام کو جو ایصالِ ثواب کرتے ہیں اسے تعظیماً نذر و نیاز کہتے ہیں۔ عام محاورہ ہے کہ بڑوں کے حضور جو ہدیہ پیش کرتے ہیں اسے نذر کہتے ہیں۔

فاتحہ یا ایصالِ ثواب کیلئے کھانے پینے کی اشیاء کا سامنے ہونا ضروری نہیں البتہ یہ جائز اور بہتر ہے حضور ﷺ نے جانور کی قربانی کر کے اس کے سامنے یہ دعا فرمائی:

"اے اللہ! اسے میری امت کی طرف سے قبول فرما"۔

(مسلم، ترمذی، ابوداؤد)

کھانے سامنے رکھ کر کچھ پڑھنا اور دعائے برکت کرنا متعدد صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ غزوۂ تبوک کے دن نبی کریم ﷺ نے کھانے پر برکت کی دعا فرمائی۔ (مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے کھانا سامنے رکھ کر کچھ پڑھا اور دعا فرمائی۔ (بخاری، مسلم)

ایک اور حدیث میں حضور ﷺ کا حلوہ پر دعائے برکت فرمانا مذکور ہے۔

(بخاری، مسلم)

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ کھانا سامنے رکھ کر تلاوت کرنا اور دعا مانگنا بلاشبہ جائز و مستحب ہے۔

مسلم شریف میں ہے کہ جس کھانے پر اللہ کا نام نہ لیا جائے اسے شیطان اپنے لیے حلال سمجھتا ہے یعنی بسم اللہ پڑھ کر کھانا پینا چاہیے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہوا:

”تو کھاؤ اس میں سے جس پر اللہ کا نام لیا گیا اگر تم اس کی آیتیں مانتے ہو“۔ (الانعام 118)

آپ بتائیے کہ فاتحہ میں کیا پڑھا جاتا ہے؟ کیا چاروں قل اور سورہ فاتحہ پڑھنے سے کھانا حرام ہو جاتا ہے؟ حدیثِ پاک سے یہ معلوم ہوا کہ بسم اللہ پڑھنے سے شیطان اس کھانے کو حلال نہیں سمجھتا اور قرآن کریم سے معلوم ہوا جس کھانے پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے وہ کافر نہیں کھاتے۔ اب نتیجہ یہ نکلا کہ فاتحہ پڑھنے سے کھانے کو حرام سمجھنا اور اسے نہ کھانا کافروں اور شیطان کا طریقہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ فاتحہ پڑھنے سے کھانا برکت والا ہو جاتا ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاویٰ کی جلد اول صفحہ 71 پر فرماتے ہیں:

”نیاز کا وہ کھانا جس کا ثواب امام حسن و امام حسین رضی اللہ عنہما کو پہنچایا جائے اور اس پر فاتحہ قل اور درود شریف پڑھا جائے تو وہ کھانا برکت والا ہو جاتا ہے اور اس کا کھانا بہت اچھا ہے“۔

شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ عوارف المعارف میں فرماتے ہیں:

”تلاوت کرنے سے کھانے کے اجزاء ذکر کے انوار سے معمور ہو جاتے ہیں اور کھانے میں کوئی خرابی بھی پیدا نہیں ہوتی اور ایسا طعام کھانے سے دل کی کیفیت بھی بدل جاتی ہے“۔

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی فرماتے ہیں:

"وہ کھانا جو حضرات انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم اور اولیائے کرام رضی اللہ عنہم کی ارواح طیبہ کو نذر کیا جاتا ہے اور امیر و غریب سب کو بطورِ تبرک دیا جاتا ہے یہ سب کو بلا تکلف روا ہے اور باعث برکت ہے۔ برکت والوں کی طرف جس چیز نسبت کی جائے اس میں برکت آجاتی ہے"۔ (فتاویٰ رضویہ)

فاتحہ دینے کا طریقہ یہ ہے کہ چاروں قل شریف تلاوت کیے جائیں جس میں سورہ اخلاص تین مرتبہ پڑھی جائے پھر سورہ فاتحہ تلاوت کی جائے، پھر اگر یاد ہوں تو سورہ بقر کی ابتدائی پانچ آیات اور مزید چند آیات تلاوت کر کے درود شریف پڑھ کر یوں دعا مانگی جائے۔

"اے اللہ! ان آیات اور اس طعام کو قبول فرما، ان عبادات پر جو ثواب دے وہ میرے عمل کے لائق نہ دے بلکہ اپنے کرم کے لائق ثواب عطا فرما اور یہ ثواب ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں مرحمت فرما۔ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں یہ ثواب تمام انبیاء کرام، صحابہ کرام، اہلبیت عظام، تابعین، تبع تابعین، جمیع اولیائے کاملین خصوصاً فلاں ولی اللہ مثلاً حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں نذر پہنچا۔ پھر یہ ثواب حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک جتنے مسلمان انتقال کر گئے یا موجود ہیں یا قیامت تک ہوں گے سب کو اس کا ثواب پہنچا۔ یا اللہ! تمام مسلمانوں کی مغفرت فرما، ہمیں مذہب مہذب مسلک حق اہلسنّت و جماعت پر استقامت عطا فرما، ہمیں دنیا و آخرت کی ہر بھلائی عطا فرما، ہمیں اپنا خوف، اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت اور آخرت کی فکر عطا فرما، ہمارے اہل و عیال سے ہمیں آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما۔ آمین"۔

پھر اگر چاہیں تو مزید دعائیں مانگیں آخر میں درود شریف پڑھ کر دونوں ہاتھ

چہرے پر پھیر لیں۔

مسلمان بعض مواقع پر فاتحہ کا زیادہ اہتمام کرتے ہیں مثلاً میلاد شریف، دس محرم الحرام، غوث اعظم کی گیارہویں شریف خواجہ غریب نواز کی چھٹی شریف، شب برات کا حلوہ، رجب کے کونڈے وغیرہ ان سب کی اصل ایصال ثواب ہے اور یہ سب جائز ہیں۔

گیارہویں شریف:

سوال: گیارہویں شریف کیا ہے؟ بعض گمراہ کہتے ہیں کہ "تم حضور ﷺ اور صحابہ کرام کیلئے ہر ماہ ایصالِ ثواب نہیں کرتے مگر ہر ماہ گیارہویں شریف کرتے ہو۔ اس کا کیا سبب ہے؟"

جواب: حضرت غوث اعظم پیرانِ پیر دستگیر سیدنا عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے ایصالِ ثواب کیلئے قرآنِ کریم کی تلاوت، نعت خوانی، ذکرِ الٰہی اور تقسیم طعام وشیرینی پر مشتمل محفل جو عموماً کسی بھی دن اور خصوصاً چاند کی گیارہ تاریخ کو منعقد ہوتی ہے اسے گیارہویں شریف کہتے ہیں۔ اس کی اصل ایصالِ ثواب ہے جو کہ قرآن وسنت سے ثابت ہے اس حوالے سے پہلے تفصیلی گفتگو ہو چکی ہے۔

بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ کھانے پینے کی چیزوں کی نسبت غیر خدا کی طرف کرنے سے وہ چیزیں حرام ہو جاتی ہے اس لیے گیارہویں شریف کا کھانا حرام ہے۔ (معاذ اللہ)

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ نبوی میں عرض کی یارسول اللہ ﷺ! اُم سعد کا انتقال ہو گیا اب ان کے ایصالِ ثواب کیلئے کون سا صدقہ بہتر ہے؟ ارشاد فرمایا: پانی (کیونکہ اس وقت مدینہ طیبہ میں مسلمانوں کو پانی کی سخت حاجت تھی) لہٰذا حضرت

سعد رضی اللہ عنہ نے کنواں کھدوا کر فرمایا: ھٰذِہٖ لِاُمِّ سعد۔ یہ کنواں اُم سعد کیلئے ہے۔

(ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی شئے کو کسی فوت شدہ ہستی کی طرف منسوب کرنا نہ تو گناہ ہے اور نہ ہی اس سے وہ شئے حرام ہوتی ہے۔ جیسے حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کنوئیں کو اپنی والدہ کی طرف منسوب کیا اسی طرح ہم گیارہویں شریف کو سرکار غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"بیشک ہمارے شہروں میں سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی گیارہویں شریف مشہور ہے اور یہی تاریخ اہلِ ہند میں سے آپ کی اولاد مشائخ میں معروف ہے"۔ (ماثبت بالسنۃ)

عارف کامل شیخ عبدالوہاب متقی مکی قدس سرہٗ غوث الثقلین کا عرس کیا کرتے تھے۔ (ایضاً)

شیخ امان اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ وہ بھی ماہ ربیع الآخر کی گیارہ تاریخ کو غوث الثقلین کا عرس کیا کرتے تھے۔ (اخبار الاخیار)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے روضہ مبارک پر گیارہویں تاریخ کو حکمران اور اکابرین شہر وغیرہ جمع ہوتے نماز عصر تا مغرب قرآن کریم تلاوت کرتے اور حضرت غوثِ اعظم کی شان میں قصائد ومنقبت پڑھتے، بعد مغرب سجادہ نشین مریدین وحاضرین کے درمیان بیٹھ کر انہیں ذکر بالجہر کراتے، اسی حالت میں بعض پر وجدانی کیفیت طاری ہوجاتی، پھر طعام وشیرینی جو نیاز تیار ہوتی وہ تقسیم کی جاتی اور لوگ نماز عشاء ادا کرکے

رخصت ہوتے''۔ (ملفوظات عزیزی)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مرزا مظہر جانجاناں رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات اپنی کتاب کلمات طیبات میں جمع فرمائے ہیں اس کا فارسی نسخہ مطبوعہ دہلی صفحہ 77 ملاحظہ ہو، مرزا صاحب فرماتے ہیں:

''میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک وسیع چبوترہ پر بہت سے اولیاء کرام حلقہ کی صورت میں مراقبہ میں ہیں جن میں خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ اور جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ بھی تشریف فرما ہیں پھر یہ حضرات سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے استقبال کو چل دیے۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو ان کے ساتھ چادر اوڑھے برہنہ پاؤں ایک بزرگ بھی تھے جن کا ہاتھ تعظیم سے آپ نے اپنے ہاتھ میں لیا ہوا تھا پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ ہیں پھر ایک صاف وشفاف حجرہ مبارک ظاہر ہوا جس پر نور کی بارش ہو رہی تھی یہ تمام بزرگ اس میں داخل ہو گئے۔ میں نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ آج حضرت غوث الثقلین کا عرس یعنی گیارہویں شریف ہے اور یہ تمام بزرگ اس عرس کی تقریب میں تشریف لے گئے ہیں''۔

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ گیارہویں شریف اور اولیاء کرام کے اعراس مبارکہ مسلمانوں کا صدیوں سے معمول رہے ہیں خصوصاً گیارہویں شریف تو شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ کے زمانے یعنی 958ھ تا 1056ھ میں تمام شہروں میں مشہور ہو چکی ہیں۔

یہ اعتراض کہ ''ہم گیارہویں شریف کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کیلئے ایصالِ ثواب نہیں کرتے'' نہایت لغو اور جاہلانہ ہے خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ اہلِسنّت جب بھی کسی ولی اللہ یا اپنے کسی مرحوم عزیز کیلئے بھی فاتحہ دلاتے

ہیں تو سب سے پہلے اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کی بارگاہ بیکس پناہ میں ثواب کا نذرانہ پیش کرتے ہیں پھر دیگر انبیاء کرام صحابہ کرام اور اہلبیت اطہار کی ارواح مقدسہ کو ایصالِ ثواب کرتے ہیں پھر اولیاء کرام اور اپنے مرحوم عزیزوں کو ثواب پہنچاتے ہیں پچھلے سوال کے جواب میں فاتحہ کا طریقہ بیان ہوا اسے دوبارہ پڑھ لیجئے۔ یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ہم جب بھی کوئی فاتحہ کرتے ہیں وہ نبی کریم ﷺ اور ان کے صحابہ و اہل بیت کرام بلکہ تمام مسلمانوں کے ایصال ثواب پر مبنی ہوتی ہے۔

ندائے یارسول اللہ:

سوال: عام مسلمان نبی کریم ﷺ کو استمداد کیلئے یا محبت وعقیدت سے پکارتے ہیں اور ندائیہ درود وسلام "الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ" پڑھتے ہیں۔ بعض لوگ اسے شرک کہتے ہیں۔ اس کے متعلق قرآن وسنت کی روشنی میں راہنمائی کیجیے۔

جواب: نبی کریم ﷺ کو حرف "یا" کے ساتھ ندا کرنا اور مذکورہ درود وسلام پڑھنا نہ صرف صحابہ کرام کی سنت ہے بلکہ اس دور میں صحیح العقیدہ مسلمان ہونے کی علامت ہے، اسے کفر وشرک کہنے والا خود گمراہ اور بدمذہب ہے۔

رسولِ معظم رحمتِ عالم ﷺ نے ایک نابینا صحابی کو قضائے حاجت کیلئے یہ دعا تعلیم فرمائی۔

> "اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں اور تیری طرف توجہ کرتا ہوں تیرے نبی حضرت محمد ﷺ کے وسیلے سے جو کہ نبیِ رحمت ہیں۔ یارسول اللہ! میں آپ کے وسیلے سے اپنے رب کے دربار میں اس لیے متوجہ ہوا ہوں تا کہ میری یہ حاجت پوری ہو جائے۔ یا اللہ! حضور ﷺ کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما"۔

جب اس صحابی نے یہ دعا کی جس میں "یارسول اللہ" کی ندا موجود ہے، تو اُن کی آنکھیں روشن ہوگئیں جیسے کہ وہ کبھی نابینا ہی نہ تھے۔ (حاکم، ترمذی، نسائی، ابنِ ماجہ، بیہقی، طبرانی)

(اس دعا کا عربی متن فقیر کی کتاب "مسنون دعائیں" کے صفحہ 85 پر ملاحظہ فرمائیں)

امام بخاری نے الادب المفرد میں روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا پاؤں سو گیا۔ کسی نے کہا: انہیں یاد کرو جو تمہیں سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ آپ نے بلند آواز سے فرمایا: یا محمداہ! تو آپ کا پاؤں فوراً صحیح ہوگیا۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الاذکار میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور ابنِ اثیر نے تاریخ کامل میں حضرت بلال بن الحارث المزنی رضی اللہ عنہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بحرف یا ندا کرنا روایت کیا ہے۔

نسیم الریاض شرح شفائے عیاض میں ہے کہ اہلِ مدینہ میں یا محمداہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہنے کا رواج عام ہے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ صحابہ کرام کے ہمراہ جب مسیلمہ کذاب کے لشکر سے برسرِ پیکار تھے اس وقت سب کی زبان پر یہ ندا تھی، یا محمداہ (یارسول اللہ! مدد فرمایئے) پھر مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ (ابنِ اثیر، طبری، البدایہ والنہایہ)

حضرت کعب بن ضمرہ رضی اللہ عنہ اپنی فوج کے ساتھ جب حلب کی فتح کیلئے لڑ رہے تھے تو پکارتے تھے، یا محمد یا محمد یا نصر اللہ انزل یعنی یارسول اللہ! یارسول اللہ! اے اللہ کی مدد نازل ہو۔ انہیں فتح حاصل ہوئی۔ (فتوح الشام، ناسخ التوارخ)

ان دلائل سے واضح ہوگیا کہ "یارسول اللہ" پکارنا صحابہ کرام اور تابعین سے لے کر آج تک ساری امت کا معمول رہا ہے۔ اس کو سب سے پہلے کس نے منع کیا؟ یہ بات دیوبندی مکتبہ فکر کے مولوی حسین احمد کانگریسی کے قلم سے ملاحظہ کیجیے۔ وہ لکھتے ہیں:

"وہابیہ خبیثیہ یہ صورت نہیں نکالتے اور جملہ انواع کو منع کرتے ہیں چنانچہ

وہابیہ عرب کی زبان سے بارہا سنا گیا کہ "الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ" کو سخت منع کرتے ہیں اور اہلِ حرمین پر سخت نفرین اس نداء و خطاب پر کرتے ہیں اور ان کا استہزاء اڑاتے ہیں"۔ (الشہاب الثاقب صفحہ 65)

یہ امر قابلِ غور ہے کہ آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو حرفِ ندا "یا" کے ساتھ مخاطب کر کے سلام عرض کرنا یعنی اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھَا النَّبِیُّ کہنا جب نماز میں واجب ہے تو نماز کے باہر شرک کیسے ہو سکتا ہے؟

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"یہ خطاب اس لیے ہے کہ حقیقتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم موجودات کے ذرے ذرے میں اور ممکنات کے ہر فرد میں سرایت کیے ہوئے ہے پس نورِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم ہر نمازی کی ذات میں موجود و حاضر ہیں، نمازیوں کو چاہیے کہ اس حقیقت سے آگاہ رہیں"۔ (اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ)

امام عبدالوہاب شعرانی نے کتاب المیزان میں، امام غزالی نے احیاء العلوم میں، امام حافظ ابنِ حجر نے فتح الباری شرح بخاری میں، امام عینی نے عمدۃ القاری شرح بخاری میں اور امام قسطلانی نے مواہب الدنیہ میں یہی عقیدہ بیان فرمایا ہے۔ (رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)

جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"جو کوئی مجھ پر درود پڑھے اس کی آواز مجھ تک پہنچ جاتی ہے خواہ وہ کہیں بھی ہو"۔ (طبرانی، جلاء الافہام)

دوسری جگہ فرمایا:

"جب کوئی مجھ پر سلام بھیجتا ہے، میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں"۔

(ابوداؤد، مسندِ احمد)

ایک اور ارشادِ گرامی ہے:

''خدا کی قسم! مجھ پر نہ تمہارا رکوع پوشیدہ ہے اور نہ خشوع (جو کہ دل کی ایک کیفیت ہے)''۔ (بخاری)

آقا و مولیٰ ﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے:

''میں دنیا کو اور جو کچھ دنیا میں قیامت تک ہونے والا ہے، سب کو اس طرح دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی اس ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں''۔ (ابونعیم، طبرانی)

پس جب نبی کریم ﷺ کی حقیقت و روحانیت کائنات کے ہر ذرے میں جاری و ساری ہے اور آقا و مولیٰ ﷺ تمام کائنات کو اپنی مبارک ہتھیلی کی مثل ملاحظہ فرما رہے ہیں تو گویا آپ ﷺ حاضر و ناظر ہیں اس لیے آپ ﷺ کو دور و نزدیک کہیں سے بھی یا رسول اللہ ﷺ پکارنا بالکل جائز بلکہ آقا و مولیٰ ﷺ سے عشق و محبت کی علامت ہے۔

بابِ ہفتم:

اہلسنّت کون؟

جنتی گروہ کی علامات:

سوال: موجودہ دور میں بیشمار فرقے پیدا ہو چکے ہیں جن میں ہر فرقہ خود کو جنتی قرار دیتا ہے اور ایک فرقہ ان لوگوں کا بھی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ہمارا تعلق کسی فرقے سے نہیں۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں یہ فرمائیں کہ ان میں سے جنتی گروہ کی شناخت کیسے کی جائے؟

جواب: غیب کی خبریں دینے والے آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے، بنی اسرائیل میں بہتر (۷۲) فرقے ہوئے اور میری امت میں تہتر (۷۳) فرقے ہوں گے۔ ان میں صرف ایک گروہ جنتی ہے اور باقی سب فرقے جہنم میں جائیں گے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ جنتی گروہ کون سا ہے؟ فرمایا: جس میں میں اور میرے صحابہ ہیں۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو سال پہلے یہ غیبی خبر دے دی تھی تاکہ اتنے سارے فرقوں میں سے جنتی گروہ کی شناخت ہو سکے۔ اس سلسلے میں سورۃ فاتحہ کی یہ آیات بھی قابلِ غور ہیں، ارشادِ باری تعالیٰ ہوا:

> "ہم کو سیدھا راستہ چلا، راستہ ان کا جن پر تو نے احسان وانعام کیا، نہ ان کا جن پر غضب ہوا اور نہ بہکے ہوؤں کا"۔ (کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن)

ہم ہر نماز میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ الٰہی! ہمیں اپنے انعام یافتہ بندوں کے راستے پر چلا کیونکہ یہ سیدھا راستہ ہے۔ بتایئے کہ قرآن وحدیث کا راستہ

سیدھا راستہ نہیں ہے؟ یقیناً قرآن وحدیث کا راستہ ہی سیدھا راستہ ہے لیکن ربِ کریم خوب جانتا ہے کہ گمراہ لوگ قرآن تلاوت کریں گے مگر بات اپنے مطلب کی کریں گے اور ترجمہ وتفسیر میں اپنے فاسد نظریات داخل کردیں گے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے انعام یافتہ بندوں کے راستے کو معیارِ حق قرار دے دیا تاکہ جو قرآن وحدیث کا عالم نہ ہو وہ بھی جان لے کہ صحابہ کرام واولیائے کاملین کا راستہ ہی صراطِ مستقیم ہے۔

اب آپ دیکھ لیجیے صحابہ کرام حضور اکرم ﷺ کی کیسی تعظیم وتوقیر کرتے، آقا ومولیٰ ﷺ کی بارگاہ میں حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لیے فریاد کرتے، انکی محبت کو ایمان کی جان سمجھتے، بارگاہِ الٰہی میں حاجت روائی کیلئے انہیں وسیلہ بناتے۔ (ان عنوانات پر متعدد احادیث مبارکہ فقیر کی کتاب ''ضیاء الحدیث'' باب اوّل ایمانیات میں ملاحظہ فرمائیں)۔ اسی طرح آپ غور فرمایئے کہ حضرت غوثِ اعظم قدس سرہ کا تعلق کس گروہ کسے ہے، داتا گنج بخش، خواجہ غریب نواز، مجدد الف ثانی، بابا فرید گنج شکر اور دیگر اولیاء کرام رحمہم اللہ کا تعلق کس گروہ سے ہے؟ الحمدُ للہ! اہلِسنّت وجماعت ہی وہ گروہ ہے جو صحابہ کرام کے عقائد وافکار کا پیروکار ہے اور اسی گروہ میں تمام اولیاء کرام ظاہر ہوئے ہیں اور یہی جنتی گروہ ہے۔

اب ہم جائزہ لیتے ہیں کہ احادیث مبارکہ میں جنتی گروہ کی مزید کیا علامات بیان ہوئی ہیں؟ پہلی علامت یہ ہے کہ امت مسلمہ کا ایک گروہ ہر دور میں حق پر رہے گا۔

سرکارِ دوعالم ﷺ نے فرمایا:

''میری امت کا ایک طبقہ دین پر قائم رہے گا، جو ان کی مخالفت کرے گا وہ انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا یہاں تک کہ قیامت آجائے گی''۔ (مسلم)

حبیب کبریا، احمدِ مختار ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''یقیناً اللہ تعالیٰ میری امت کو گمراہی پر متفق نہ ہونے دے گا، جماعت پر اللہ کا

دستِ کرم ہے اور جو جماعت سے الگ رہا وہ الگ دوزخ میں جائے گا''۔

(ترمذی، مشکوٰۃ)

اب دیکھنا یہ ہے کہ جنتی ہونے کے دعویدار فرقوں نے کب جنم لیا؟

صحیح بخاری میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دعا مانگی۔

''اے اللہ! ہمیں ہمارے شام میں برکت دے، اے اللہ! ہمیں ہمارے یمن میں برکت دے''۔

بعض لوگوں نے عرض کی، نجد کے لیے بھی دعا کریں۔ آقا و مولیٰ ﷺ نے پھر شام اور یمن کے لیے دعا فرمائی۔ لوگوں نے پھر نجد کے لیے دعا کی درخواست کی، مگر آپ نے پھر شام اور یمن کے لیے دعا فرمائی۔ تیسری بار لوگوں کے عرض کرنے پر فرمایا:

''وہاں زلزلے اور فتنے ہونگے اور وہاں سے شیطان کا سینگ یعنی شیطانی گروہ نکلے گا''۔ (صحیح بخاری جلد سوم کتاب الفتن)

اگر نجد کے علاقے سے کئی فرقے نمودار ہوتے تو شاید لوگ ''شیطانی گروہ'' کو پہچاننے میں غلطی کر جاتے لیکن خدا کا کرنا دیکھیے کہ وہاں ایک ہی فرقہ پیدا ہوا، بارھویں صدی ہجری میں نجد میں شیخ محمد بن الوہاب نجدی نے ایک نئے دین کی بنیاد رکھی، اس نے اپنے سوا تمام مسلمانوں کو کافر و مشرک قرار دیا اور ان کا قتلِ عام کیا۔ اس وقت علماء حق میں سے اس کے سگے بھائی شیخ سلیمان بن عبدالوہاب نے اسکا سخت رد کیا۔ وہ اپنی کتاب الصواعق الالٰہیہ کے صفحہ ۴۳ پر لکھتے ہیں:

''رسولِ معظم ﷺ کے بعد سرزمینِ نجد میں جو پہلا فتنہ واقع ہوا وہ شیخ نجدی کا فتنہ ہے جس نے مسلمانوں کے درمیان صدیوں سے رائج معمولات کو کفر اور مسلمانوں کو کافر بنا دیا ہے بلکہ شیخ نجدی نے ان لوگوں

کو بھی کافر بنا دیا جو مسلمانوں کو کافر نہ کہے۔ حالانکہ مکہ، مدینہ اور یمن کے علاقوں میں صدیوں سے یہ معمولات رائج ہیں بلکہ ہم کو تحقیق سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ اولیاء کا وسیلہ، ان کے مزارات سے توسل و استمداد اور اولیاء اللہ کو پکارنا یہ تمام امور دنیا میں سب سے زیادہ یمن اور حرمین شریفین میں کیے جاتے ہیں''۔

شیخ سلیمان نے اہلسنت کی حقانیت کی ایک دلیل یہ دی تھی کہ صحیح بخاری میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''اللہ تعالیٰ جس شخص کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے اور یہ امت ہمیشہ صحیح دین پر قایم رہے گی یہاں تک کہ قیامت آجائے''۔

اس حدیث میں آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک امت کے دین پر قائم رہنے کی خبر دی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ جن امور کو تم کفر بتاتے ہو وہ ابتدائے اسلام سے لے کر آج تک تمام دنیائے اسلام میں مروج اور معمول ہیں۔

پس اگر اولیاء اللہ کے مزارات بڑے بڑے بت ہوتے اور ان سے استمداد و استغاثہ کرنے والے کافر ہوتے تو تمام امت صحیح دین پر قائم نہ ہوتی بلکہ ساری امت کافر قرار پاتی (جبکہ یہ حدیث پاک تمہارے اس باطل نظریے کی تردید کرتی ہے)۔

(الصواعق الالٰہیہ صفحہ ۴۰)

شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے پیروکار وہابی کہلاتے ہیں۔ برصغیر پاک و ہند میں وہابیت کی ایک شاخ نے میاں نذیر حسین دہلوی کی قیادت میں جنم لیا جو تقلید کے منکر تھے۔ انگریز حکومت سے اپنے تعلق کے بارے میں اسی فرقہ کا ترجمان رسالہ لکھتا ہے کہ:

''لارڈ ڈفرن، گورنر جنرل اور وائسرائے ہند کو دیے گئے سپاسنامے میں قائدِ اہلحدیث میاں نذیر حسین دہلوی، محمد حسین بٹالوی وکیلِ اہلحدیث ہند کے علاوہ اہلحدیث کے پانچ بڑے پیشواؤں کے نام شامل ہیں''۔ (اشاعۃ السنۃ جلد ۱۱، شمارہ ۲ صفحہ ۴۱)

غیر مقلدوں کے پیشوا نواب صدیق حسن بھوپالی نے اس وقت بھی اہلسنت کو انگریزوں کا بدخواہ اور دشمن قرار دیا۔ انہوں نے لکھا:

''اگر کوئی بدخواہ بداندیش سلطنت برٹش کا ہوگا تو وہی شخص ہوگا جو آزادئ مذہب (یعنی غیر مقلد ہونے) کو ناپسند کرتا ہے اور ایک مذہب خاص پر جو باپ دادوں کے وقت سے چلا آتا ہے، جما ہوا ہے''۔ (ترجمانِ وہابیہ صفحہ ۵)

اس نمک حلالی پر انگریز حکومت نے پانچ اہلحدیث مولویوں کو ''شمس العلماء'' اور دو مولویوں کو ''خان بہادر'' کے القابات سے نوازا۔ (الدر المنثور از مولوی یوسف جعفری)

صحابہ کرام، تابعین و صالحین کے ساتھ اس فرقہ کے ناروا سلوک کا حال انہیں کے پیشوا نواب وحید الزماں کی زبانی ملاحظہ ہو۔ وہ لکھتے ہیں، ''غیر مقلدوں کا گروہ جو اپنے آپ کو اہلحدیث کہتے ہیں انہوں نے ایسی آزادی اختیار کر رکھی ہے کہ مسائلِ اجماعی کی پرواہ نہیں کرتے، نہ سلف صالحین اور صحابہ اور تابعین کی۔ اور قرآن کی تفسیر صرف لغت سے اپنی من مانی کر لیتے ہیں، حدیث شریف میں جو تفسیر آچکی اسکو بھی نہیں سنتے''۔ (شیشے کے گھر صفحہ ۲۰، بحوالہ حیات وحید الزمان صفحہ ۱۰۲)

برصغیر میں وہابیت کی دوسری شاخ مولوی اسماعیل دہلوی نے قائم کی۔ انہوں نے شیخ نجدی کی کتاب التوحید کا چربہ اردو میں تقویۃ الایمان کے نام سے شائع کیا۔ انکے علمی مقام کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ ان کے چچا شاہ عبدالقادر محدث دہلوی نے انکے متعلق فرمایا:

''ہم تو سمجھے تھے کہ اسماعیل عالم ہوگیا مگر وہ تو ایک حدیث کے معنی بھی نہ

سمجھا"۔ (ارواحِ ثلاثہ صفحہ ۱۲۰ از مولوی اشرف علی تھانوی)

انگریزوں کی نوازشات سے متاثر ہو کر مولوی اسماعیل دہلوی نے سرِ عام فتویٰ دیا کہ انگریزوں کے خلاف جہاد کرنا کسی طرح درست نہیں بلکہ خلافِ مذہب ہے۔

(حیات طیبہ صفحہ ۲۹۶ از مولوی حیرت دیوبندی)

پاک و ہند میں وہابیت کی تیسری شاخ دیوبند (جو کہ حنفی ہونے کے دعویدار ہے، اس کی ابتدا بھی انگریز حکومت کی خاص نوازشوں سے ہوئی۔ اسکا ذکر خود دیوبندی اکابرین نے اپنی کتب میں کیا ہے، مولوی شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

"سنا گیا ہے کہ مولانا اشرف علی تھانوی کو انگریز حکومت کی جانب سے چھ سو (۶۰۰) روپے ماہوار دیے جاتے تھے"۔ (مکالمۃ الصدرین صفحہ ۱۰، مطبوعہ دیوبند)

نیز "الیاس دہلوی کی تبلیغی جماعت کو ابتدا میں انگریز حکومت کی جانب سے کچھ روپیہ ملتا تھا"۔ (ایضاً صفحہ ۸)

دیوبند کے مفتیءِ اعظم مولوی رشید گنگوہی پر بعض لوگوں نے جنگِ آزادی میں شرکت کا الزام لگایا تو مولوی صاحب نہایت مطمئن رہے، بقول انکے سوانح نگار،

"آپ کو وہ استقلال بنے ہوئے خدا کے حکم پر راضی تھے اور سمجھتے تھے کہ میں جب حقیقت میں سرکار (انگریز) کا فرمانبردار رہا ہوں تو جھوٹے الزام سے میرا بال بھی بیکا نہ ہو گا اور اگر مارا بھی گیا تو سرکار (انگریز) مالک ہے اسے اختیار ہے جو چاہے کرے"۔ (تذکرۃ الرشید صفحہ ۸۰)

دیوبندی مکتبہء فکر کی عمارت بھی شیخ نجدی کے توہین رسالت پر مبنی باطل عقائد کی بنیادوں پر تعمیر ہوئی۔ شیخ نجدی کے گستاخانہ نظریات کی تعریف میں گنگوہی صاحب لکھتے ہیں:

"محمد بن عبدالوہاب کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں، انکے عقائد عمدہ تھے

اور مذہب انکا حنبلی تھا"۔ (فتاویٰ رشیدیہ جلد اول، کتاب التقلید صفحہ ۱۱۹)

دیوبندی فرقے کی ابتدا کے بارے میں دارالعلوم دیوبند کے استاد التفسیر مولوی انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں:

"میرے نزدیک دیوبندیت خالص ولی اللٰہی فکر بھی نہیں اور نہ کسی خانوادہ کی لگی بندھی فکر دولت و متاع ہے۔ میرا یقین ہے کہ اکابر دیوبند جن کی ابتدا میرے خیال میں سیدنا الامام مولانا قاسم صاحب اور فقیہ اکبر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے ہے۔ دیوبندیت کی ابتدا حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے کرنے کی بجائے مذکورہ بالا دو عظیم انسانوں سے کرتا ہوں"۔ (ماہنامہ البلاغ کراچی، مارچ ۱۹۶۹ء صفحہ ۴۸)

ان حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ دیوبندی فرقے کی ابتدا مولوی قاسم نانوتوی اور مولوی رشید احمد گنگوہی سے ہوئی یعنی یہ فرقہ بھی سوا سو سال پہلے وجود آیا۔ گویا غیر مقلد (اہلحدیث) اور دیوبندی مکاتیب فکر کا آغاز انگریز دور میں ہوا اور یہ دونوں شیخ نجدی کے باطل نظریات سے تعلق رکھتے ہیں۔ اکابرینِ دیوبند کے کفریہ عقائد کی تفصیل جاننے کیلئے اعلیٰ حضرت امامِ اہلسنت مولانا شاہ احمد رضا خان محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "حسام الحرمین" (جو اس وقت کے علمائے حرمین کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے) اور علامہ سید احمد سعید شاہ کاظمی قدس سرہ کی تصنیف "الحق المبین" کا مطالعہ فرمائیں۔

موجودہ صدی کے چوتھے عشرے میں جناب مودودی صاحب نے غیر مقلدین ہی کی طرز پر "جماعتِ اسلامی" کے نام سے ایک فرقے کی بنیاد رکھی اور شیخ نجدی کو مجدد اور شیخ الاسلام قرار دیا، اس گروہ کو وہابیت کی جدید شاخ کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔ مودودی صاحب کے قلم کی زد سے بھی انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرام کی عصمت و عظمت

محفوظ نہ رہی، اسکی تفصیل جاننے کے لیے علامہ ارشد القادری مدظلہ العالی کی تصنیف جماعتِ اسلامی کا مطالعہ فرمائیں۔

اب ہم اہلسنت و جماعت کا ذکر کرتے ہیں جن کے عقائد قرآن وحدیث اور اکابر ائمہ دین سے ثابت اور منقول ہیں اور کوئی ایسا عقیدہ پیش نہیں کیا جا سکتا جو مجددِ دین وملت اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایجاد ہو، جن کی نسبت سے آج مخالفین، ہم اہلسنت کو ''بریلوی'' کہتے ہیں۔

خود غیر مقلد مولوی احسان الٰہی ظہیر نے یہ اقرار کیا کہ ''یہ جماعت اپنی پیدائش اور نام کے لحاظ سے نئی ہے لیکن نظریات اور عقائد کے اعتبار سے قدیم ہے''۔

(البریلویہ صفحہ ۷)

ایک اور غیر مقلد مولوی ابو یحییٰ امام خان نوشہروی نے لکھا،

''یہ جماعت ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کی مدعی ہے مگر دیو بند مقلدین انہیں بریلوی کہتے ہیں''۔ (تراجم علمائے اہلحدیث ہند صفحہ ۳۷۶)

مشہور مورخ سلیمان ندوی لکھتے ہیں،

''تیسرا فریق وہ تھا جو شدت کے ساتھ اپنی روش پر قائم رہا اور اپنے آپ کو اہلِ سنت کہتا رہا۔ اس گروہ کے پیشوا زیادہ تر بریلی اور بدایوں کے علماء تھے''۔ (حیاتِ شبلی صفحہ ۴۶)

ان اقتباسات سے ثابت ہو گیا کہ اعلیٰ حضرت نے انہی افکار و معمولات کی حمایت و اشاعت کی جو امتِ مسلمہ میں صدیوں سے رائج تھے جیسے انبیاء اور اولیاء کا وسیلہ، محبوبانِ خدا سے مدد مانگنا اور اولیاء اللہ کو پکارنا وغیرہ جنہیں مخالفین شرک قرار دیتے ہیں۔ ان معمولات کے ہر دور میں مروج ہونے کے متعلق شیخ سلیمان کی تحریری گواہی اوپر نقل کی جا چکی ہے۔

محدث علی قاری علیہ رحمۃ الباری فرماتے ہیں،

''جس راہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور انکے صحابہ کرام ہیں صرف وہی راہ چلنے والا گروہ جنتی ہے اور وہ اہلسنت و جماعت ہی ہے اور اس گروہ میں فقہاء کرام مثلاً ائمہ اربعہ (امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل)، محدثین کرام اور متکلمین اشاعرہ اور ماتریدیہ (رحمہم اللہ) ہیں، ان کے مذاہب بدعت سے خالی ہیں''۔ (شرح شفا جلد اول)

دوسری جگہ رقمطراز ہیں:

''پس اہلسنت و جماعت کے جنتی گروہ ہونے میں کوئی شک نہیں''۔

(مرقاۃ شرح مشکوۃ جلد اول)

قبل ازیں جنتی گروہ کی پہلی علامت حدیث شریف کے حوالے سے یہ بیان کی گئی کہ جنتی گروہ کے عقائد آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے زمانہ اقدس سے اب تک متصل چلے آرہے ہوں۔ اسکے متعلق تفصیل گفتگو ہوئی اور موجودہ دور کے چند فرقوں کے متعلق انہی کے اکابرین کی کتب سے یہ ثابت کیا گیا کہ وہ سب انگریز دور کی پیداوار ہیں۔

جنتی گروہ کی دوسری علامت اس کا سوادِ اعظم یعنی بڑا گروہ ہونا ہے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ عالیشان ہے،

''بڑے گروہ کی پیروی کرو کیونکہ جو اس سے الگ رہا وہ الگ ہی آگ میں جائے گا''۔ (ابن ماجہ، مشکوۃ)

دوسری جگہ ارشاد ہوا،

''بہتر (۷۲) فرقے جہنمی اور ایک جنتی اور وہ بڑا گروہ ہے''۔

(مشکوۃ بحوالہ احمد، ابوداؤد)

مختارِ کل ختم الرسل ﷺ کا ارشاد ہے:

''شیطان انسان کے لیے بھیڑیا ہے جیسے بھیڑیا الگ اور دور کنارے والی بکری کا شکار کرتا ہے (ایسے ہی شیطان انسان کا شکار کرتا ہے)، لہٰذا تم گھاٹیوں سے بچو اور (اہلسنت کی) جماعت اور عام مسلمان کے ساتھ رہو''۔ (مسند احمد)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ جنتی گروہ مسلمانوں کی سب سے بڑی جماعت ہے اور جو اس بڑی جماعت سے الگ رہا وہ شیطان کا شکار ہو کر جہنم کا ایندھن بن جائے گا۔

علامہ سید احمد بن زینی دحلان مکی شافعی (م ۱۳۰۴ھ) فرماتے ہیں کہ ایک قبیلہ کا رئیس شیخ نجدی سے ملنے آیا اور کہنے لگا، اگر تمہارا قابلِ اعتماد خادم تمہیں یہ خبر دے کہ اس پہاڑ کے پیچھے سے ایک بڑا لشکر تم پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے اور تم ایک ہزار آدمیوں کو اس بات کی تصدیق کے لیے روانہ کرو اور وہ تمہیں تحقیق کر کے یہ بتائیں کہ وہاں کوئی لشکر نہیں ہے تو تم اس ایک آدمی کی تصدیق کرو گے یا ان ہزار آدمیوں کی؟ شیخ نجدی نے کہا، میں ان ہزار آدمیوں کی تصدیق کروں گا۔ اس رئیس نے کہا، اسی طرح تمام مسلمان عوام اور علماء زندہ اور فوت شدہ اپنی کتابوں میں تمہاری دعوت، تمہاری تحریک اور تمہارے عقائد کی تردید کرتے رہے ہیں پس ہم ان تمام کی تصدیق کریں یا صرف ایک تمہاری؟ شیخ نجدی کوئی جواب نہ دے سکا۔

ایک اور شخص نے سوال کیا، جس دین کو تم لے کر آئے ہو یہ پہلے اسلام سے متصل ہے یا منفصل؟ شیخ نجدی نے جواب دیا، چھ سو (۶۰۰) سال تک یہ ساری امت کافر و مشرک تھی۔ اس نے کہا، پھر تو تمہارا دین منفصل ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم نے دین کس سے حاصل کیا؟ نجدی بولا: وحی الہام سے جیسے حضرت خضر علیہ السلام پر وحی الہام ہوتی تھی۔ اس شخص نے جواب دیا: اگر وحی الہام کا دروازہ کھلا ہوا ہے تو پھر

تمہاری کیا خصوصیت ہے؟ ہر شخص ایک نیا دین لے کر اٹھ سکتا ہے اور وہ بھی یہ کہ سکتا ہے کہ اسے یہ دین وحی الہام سے حاصل ہوا ہے۔ اس پر شیخ نجدی لاجواب ہو گیا۔

(خلاصۃ الکلام صفحہ ۳۳۴)

اہلسنّت کے سوادِ اعظم یعنی بڑا گروہ ہونے کے متعلق نواب صدیق حسن بھوپالی غیر مقلد لکھتے ہیں،

"ہند میں اکثر حنفی، بعض شیعہ اور کمتر اہلحدیث ہیں"۔ (ترجمانِ وہابیہ صفحہ ۵۷)

ایک اور غیر مقلد مولوی احسان الٰہی ظہیر نے اس حقیقت کا اعتراف یوں کیا ہے:

"ابتدا میں میرا گمان تھا کہ یہ فرقہ (اہلسنت بریلوی) پاک و ہند سے باہر موجود نہیں ہوگا مگر یہ گمان زیادہ دیر قائم نہیں رہا، میں نے یہی عقائد مشرق کے آخری حصے سے مغرب کے آخری حصے تک اور افریقہ سے ایشیا تک اسلامی ممالک میں دیکھے"۔ (البریلویہ صفحہ ۹۰)

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

یہ بات پہلے بیان ہو چکی کہ تمام اولیاء کرام اہلسنت و جماعت ہی میں گزرے ہیں نیز یہی وہ جماعت ہے جسے ہر دور میں سوادِ اعظم ہونے کا شرف حاصل رہا ہے۔ اولیاء کرام رحمہم اللہ سے مدد مانگنے کے منکرین تو شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں پیدا ہوئے جیسا کہ پہلے ایک سوال کے جواب میں مذکور ہوا۔ آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے،

"بیشک میری امت گمراہی پر ہرگز جمع نہ ہوگی، پس جب تم اختلاف دیکھو تو تم پر بڑی جماعت کی پیروی لازم ہے"۔ (مستدرک للحاکم، البدایہ والنہایہ)

سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ عالیشان ہے،

"قیامت کے دن میرے سب سے زیادہ قریب وہ ہوگا جو مجھ پر زیادہ

درود پڑھے گا"۔(ترمذی)

ایک اور حدیث شریف میں ہے:

"جس کو درود پڑھنا یاد نہ رہا اس نے جنت کا راستہ بھلا دیا"۔(طبرانی)

ان احادیث مبارکہ کی روشنی میں جلیل القدر محدیث امام شمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن سخاوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۰۲ھ) نے نویں صدی ہجری میں اہلِسنّت و جماعت کی ایک اہم نشانی بیان کی۔ آپ فرماتے ہیں:

"اہلسنت کی علامت یہ ہے کہ وہ کثرت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتے ہیں"۔(القول البدیع، صفحہ ۵۲، مطبوعہ مدینہ منورہ)

اب ایک طرف وہ خوش نصیب ہیں جو بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں درود و سلام کی کثرت کو ایمان کی جان سمجھتے ہیں، خلوت میں، جلوت میں، تقریروں میں، دعاؤں میں، جلسوں میں، محفلوں میں، ہلکی آواز میں بلند آواز میں، اذان کے ساتھ بھی، جمعہ کے بعد بھی الغرض ہر طرح سے درود و سلام کو اپنے اعمالِ صالحہ کی زینت بنائے ہوئے ہیں اور دوسری طرف وہ ہیں جو فتوی دیتے ہیں کہ درود سلام اذان سے پہلے بھی بدعت وحرام ہے، نمازِ جمعہ کے بعد بھی بدعت وحرام ہے، بلند آواز سے پڑھنا بھی بدعت و حرام ہے، یہ درود و سلام شرک ہے اور یہ بدعت ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہاں تک کہ درود و سلام رکوانے کی ناپاک کوشش میں مساجد میں لڑائی جھگڑے برپا کردیتے ہیں اور اس ناپاک حرکت کو عین توحید گردانتے ہیں۔ انصاف سے کہیے کیا ایسے لوگ اہل سنت ہو سکتے ہیں؟ واللہ ہرگز نہیں۔ درود و سلام کو شرک و بدعت سمجھنے اور رکوانے کی شرانگیز بدعتِ سیئہ کا بانی امام الوہابیہ شیخ نجدی ہے۔ علامہ سید احمد بن زینی دحلان مکی رحمۃ اللہ رقمطراز ہیں:

"ابن عبدالوہاب درود پڑھنے سے منع کرتا تھا اور سن کر ناراض ہوتا تھا۔

جو درود پڑھتا یہ اسے سخت سزا دیتا، یہاں تک کہ ایک نابینا صالح شخص جو خوش الحان موذن تھا، اس کو مینارے پر درود پڑھنے سے منع کیا۔ وہ نہ مانا اور اس نے درود پڑھا تو اس کو قتل کر دیا، شیخ نجدی کہتا تھا کہ زانیہ کے گھر آلاتِ موسیقی کا گناہ مینارے پر درود پڑھنے سے کم ہے (معاذ اللہ) نیز اس نے دلائل الخیرات اور درود وسلام کی دوسری کتابوں کو جلا دیا"۔

(الدررُ السنیۃ صفحہ ۵)

مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعداء تیرے
نہ مٹا ہے، نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا

امام المحدثین عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

"دینِ اسلام میں سوادِ اعظم سے مراد اہلسنت و جماعت ہے"۔

(اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ جلد اول)

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ اپنے مکتوب میں فرماتے ہیں:

"اہلِسنّت و جماعت کے مطابق اپنے عقائد کو رکھنا ضروری ہے کیونکہ قیامت کے دن اسی گروہ کو نجات حاصل ہوگی، اور اگر انکے عقائد سے مخالفت ہوئی تو پھر خطرہ ہی خطرہ ہے اور یہ حقیقت صحیح کشف اور صریح الہام سے یقیناً ثابت ہو چکی ہے اور اسکے حق ہونے میں غلطی کا کوئی امکان نہیں ہے"۔ (مکتوبات (فارسی) جلد اول صفحہ ۵۹)

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی قدس سرہ نے اس مضمون کو ایک شعر میں سمو دیا ہے۔

بے عذاب و عتاب و حساب و کتاب
تا ابد اہل سنت پہ لاکھوں سلام

شعائرِ اہلِ سنت کی پابندی کیوں؟

سوال: بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اہلِ سنت محفلِ میلاد النبی ﷺ اور گیارھویں شریف کرنے، کھڑے ہوکر درود سلام پڑھنے اور حضور ﷺ کا اسمِ گرامی سن کر انگوٹھے چومنے کو واجب سمجھتے ہیں اسلیے ان افعال کی ہمیشہ پابندی کرتے ہیں۔ اس الزام کی کیا حقیقت ہے؟

جواب: پہلے تو یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیجیے کہ اہل سنت مذکورہ افعال کو ہرگز فرض یا واجب نہیں سمجھتے بلکہ انہیں مستحب و مستحسن جان کی انکی پابندی کرتے ہیں۔ اب رہا یہ سوال کہ ان مستحب امور کی پابندی کیوں کی جاتی ہے تو جواباً عرض ہے کہ مستحب افعال کی پابندی اللہ تعالیٰ اور اسکے محبوب رسول ﷺ کے نزدیک پسندیدہ ہے اسلیے ہم ان مستحب کاموں کی پابندی کرتے ہیں۔

اس سلسلے میں قرآن کریم سے راہنمائی لیجیے:

ارشاد ہوا:

> ''اور راہب بننا، تو یہ بات انہوں نے دین میں اپنی طرف سے نکالی، ہم نے ان پر مقرر نہ کی تھی، ہاں یہ بدعت انہوں نے اللہ کی رضا چاہنے کو پیدا کی، پھر اسے نہ نباہا جیسا اسکے نباہنے کا حق تھا، تو انکے ایمان والوں کو ہم نے ان کا ثواب عطا کیا، اور ان میں سے بہت سے فاسق ہیں''۔

(الحدید ۲۷، کنزالایمان)

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے اس نیکی کو نہ نباہا یعنی اس کی پابندگی نہ کی انہوں نے برا کیا۔ پس نتیجہ یہ نکلا کہ مستحب کاموں کو پابندی سے کرنا رب تعالیٰ کو پسند ہے۔

آقا و مولیٰ ﷺ کا فرمانِ عالی شان ہے:

''اللہ تعالیٰ کو وہ عمل محبوب ہے جو ہمیشہ کیا جائے گا اگر چہ تھوڑا ہو''۔ (بخاری، مسلم)

حضور ﷺ کا ایک اور ارشادِ گرامی ہے:

''جو اشراق کی دو رکعت کی پابندی کرے اسکے گناہ بخش دیے جائیں گے اگر چہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں''۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

امُ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چاشت کی آٹھ رکعات پڑھتیں پھر فرماتیں:

''اگر میرے ماں باپ اٹھا بھی دیے جائیں تو میں یہ نفل نہ چھوڑوں''۔ (مشکوٰۃ)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ نفل یا مستحب کی پابندی کرنا اللہ تعالیٰ اور نبی کریم ﷺ کو پسند ہے۔ ہم روزانہ تین وقت کھانا کھاتے ہیں، ہر جمعہ کو غسل کرتے ہیں، عید پر نئے کپڑے سلواتے ہیں، مدارس میں سالانہ امتحان ہوتے ہیں، سالانہ جلسے ہوتے ہیں، رمضان میں تعطیلات ہوتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام امور کی پابندی سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ہم انہیں فرض یا واجب سمجھتے ہیں اسی طرح اہلِ سنت کے مذکورہ مستحب امور کی پابندی کرنے سے بھی ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ انہیں واجب سمجھتے ہیں۔

اس ضمن میں ایک اور نہایت اہم بات ذہن نشین رکھنی ضروری ہے اور وہ یہ کہ ہر دور میں ارکانِ اسلام کے علاوہ اہلِ ایمان کی مختلف علامات رہی ہیں اور حسبِ زمانہ کافروں اور بدمذہبوں کی علامات اور شعائر سے بچنا بھی اہلِ ایمان کے لیے لازم رہا ہے۔ ابتدائے اسلام میں محض کلمہ پڑھنا ہی مسلمانوں کی پہچان تھی پھر جب منافق پیدا ہوئے تو قرآن نے انکی علامات بیان فرما دیں۔ اس حوالے سے سورہ بقرہ کا دوسرا رکوع اور سورہ منافقون ملاحظہ کیجیے۔ پھر جب دیگر بدمذہب پیدا ہوئے تو غیب بتانے والے آقا و مولیٰ ﷺ نے ان اہلِ بدعت مثلاً خوارج، قدریہ وغیرہ کی علامات بیان

فرما دیں جن کی وجہ سے صحابہ کرام نے گمراہ لوگوں کو شناخت کیا بلکہ بخاری شریف میں ہے کہ خوارج کی نشانیوں والے ایک شخص کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔

شرح فقہ اکبر میں محدث علی قاری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا، سنی کی پہچان کیا ہے؟ تو فرمایا:

''حضرت عثمان وحضرت علی رضی اللہ عنہما سے محبت کرنا، حضرت ابوبکر وحضرت عمر رضی اللہ عنہما کو افضل جاننا اور چمڑے کے موزوں پر مسح کرنا''۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے جب اہلسنت کی پہچان پوچھی گئی تو انہوں نے بھی یہی علامات ارشاد فرمائیں درِمختار بابُ المیاہ میں ہے کہ

''حوض سے وضو کرنا افضل ہے کیونکہ معتزلہ اسے ناجائز کہتے ہیں لہٰذا ہم حوض سے وضو کر کے انہیں جلاتے ہیں''۔

غور فرمایئے کہ حوض سے وضو کرنا اور چمڑے کے موزوں پر مسح کرنا فرض یا واجب نہیں ہے لیکن چونکہ اس زمانے میں انکے منکر پیدا ہو گئے تھے اس لیے ان کاموں کو اہلسنت کی پہچان قرار دیا گیا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض جائز کام بدمذہبوں کی مخالفت کی وجہ سے افضل اور اہم ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح محفلِ میلاد، گیارھویں شریف، کھڑے ہو کر درود وسلام پڑھنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ گرامی سن کر انگوٹھے چومنا وغیرہ یہ سب افعال فرض یا واجب نہیں ہیں لیکن چونکہ فی زمانہ ان مستحب کاموں کے منکر پیدا ہو گئے ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور محبوبانِ خدا کی عظمت وشان سے عناد رکھتے ہیں اس لیے یہ مستحب امور صحیح العقیدہ اہلِسنّت ہونے کی علامت ہیں۔

مناجات:

اللھم احسن عاقبتنا الامور کلھا و اجرنا من خزی الدنیا و عذاب الاخرۃ صلوٰۃ و سلاماً علیك یا سیدی یا رسول اللّٰہ

"اے اللہ! ہمارے ہر کام کا انجام ہمارے حق میں بہتر کر دے اور ہمیں دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب سے بچا، اے اللہ کے رسول! آپ پر درود و سلام ہوں"۔

یا الٰہی! ہر جگہ تیری عطا کا ساتھ ہو
جب پڑے مشکل شہِ مشکل کشا کا ساتھ ہو
یا الٰہی! بھول جاؤں نزع کی تکلیف کو
شادیِ دیدارِ حسنِ مصطفیٰ کا ساتھ ہو
یا الٰہی! گورِ تیرہ کی جب آئے سخت رات
ان کے پیارے منہ کی صبحِ جانفزا کا ساتھ ہو
یا الٰہی! گرمیِ محشر سے جب بھڑکیں بدن
دامنِ محبوب کی ٹھنڈی ہوا کا ساتھ ہو
یا الٰہی! جب چلوں تاریک راہِ پل صراط
آفتابِ ہاشمی نورُ الہدیٰ کا ساتھ ہو

زاویہ پبلشرز

نام کتاب	مصنف / مرتب	قیمت
○ کشف العرفان	ڈاکٹر نور محمد ربانی	۱۴۰/ روپے
○ اللہ والے	ظہور الحسن شارب	۱۱۰/ روپے
○ اللہ والیاں	احمد مصطفیٰ صدیقی راہی	۱۱۰/ روپے
○ تاریخ مشائخ نقشبند	محمد صادق قصوری	۲۰۰/ روپے
○ افضل الرسل صلی اللہ علیہ وسلم	محمد صادق قصوری	۹۰/ روپے
○ مکاشفات و روحانیات	پروفیسر عبد الصمد الصارم الازہری	۱۲۰/ روپے
○ کراماتِ صحابہ رضی اللہ عنہ	عبد المصطفیٰ اعظمی	۷۵/ روپے
○ جنتی زیور	عبد المصطفیٰ اعظمی	۱۲۰/ روپے
○ تاریخ ساز اقوال	رائے محمد کمال	۱۲۵/ روپے
○ اولاد کو سکھاؤ محبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی	ڈاکٹر محمد عبدہ یمانی ترجمہ ڈاکٹر محمد مبارز ملک	۹۰/ روپے
○ اسلام میں عورت کا مقام و مرتبہ	ثریا بتول علوی	۱۰۰/ روپے
○ فیضانِ اویس	حضرت خواجہ نور الحسن تارک اویسی رحمۃ اللہ علیہ	۶۰/ روپے
○ تحفہ جوانی	ابن کرم	۶۰/ روپے
○ حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ	بشیر حسین چشتی نظامی	۷۰/ روپے
○ کشف المحجوب	حضرت داتا گنج بخش علی بن عثمان ہجویری	۱۹۰/ روپے
○ اسلام میں شادی کا تصور	از پروفیسر سعید احمد چشتی	۷۰/ روپے
○ ملفوظات و فوائد حضرت بندہ نواز گیسو دراز	خواجہ بشیر حسن چشتی نظامی	۱۰۰/ روپے
○ شیریں حکایات	محمد امین شرقپوری	۱۰۰/ روپے
○ گلدستہ احادیث	حضرت اعلیٰ غلام مرتضیٰ بیربلوی	۹۰/ روپے
○ بزرگوں کے عقیدے	مفتی جلال الدین احمد امجدی	۹۰/ روپے
○ محفل اولیاء	حضرت علامہ شاہ مراد سہروردی	۱۵۰/ روپے
○ اسلام کی اخلاقی تعلیمات	حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ	۱۰۰/ روپے
○ تاریخ اولیاء	حضرت خواجہ حسن چشتی نظامی	۷۰/ روپے
○ زلف و زنجیر مع لالہ زار	علامہ ارشد القادری	۹۰/ روپے
○ القاعدہ	مقبول ارشد	۱۵۰/ روپے
○ تاریخ کے گمشدہ اوراق	علامہ نیاز فتح پوری	۱۴۰/ روپے
○ جنت کا میوہ	قاری محمد رمضان	۹۰/ روپے
○ حضرت عثمانؓ کا عہد یا تاریخ	ڈاکٹر نور احمد	۸۰/ روپے
○ پیارے رسول کی پیاری باتیں	فیاض سید	۸۰/ روپے
○ حضرت علیؓ کا دورِ خلافت	قاری محمد علی نقشبندی	۸۰/ روپے
○ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا دورِ خلافت	علامہ خالد محمود	۸۰/ روپے
○ حضرت عمر فاروقؓ کا دورِ خلافت	علامہ خالد محمود	۸۰/ روپے
○ اولاد کو سکھاؤ محبت اہل بیت کی		۱۰۰/ روپے
○ منتخب حدیث		۶۰ 〃
○ شرح قصیدہ بردہ شریف		۸۰ 〃